قائداعظمؒ اور گاندھی

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر محمد مظفر مرزا

جنگ پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

Library
Accession No. 20836
Punjab University Library

بسم اللہ الرحمن الرحیم

www.KitaboSunnat.com

جنگ پبلشرز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

DATA ENTERED

قائداعظمؒ اور گاندھی

ایک سنسنی خیز انکشافاتی اور تجزیاتی مطالعہ اور موازنہ

Punjab University Library
20836

پروفیسر محمد مظفّر مرزا

جنگ پبلشرز

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ
ہر عمر اور ہر ذوق کے قارئین کے لئے
خوبصورت اور معیاری مطبوعات

جنگ پبلشرز

ناشر : میر شکیل الرحمٰن
جملہ حقوق محفوظ

اشاعت : جون 1999ء
قیمت : 100 روپے
سرورق : انیس یعقوب
مدیر انچارج : مظفر محمد علی
پبلشر : جنگ پبلشرز لاہور (جنگ انٹرپرائزز پرائیویٹ لمیٹڈ کا ایک ذیلی ادارہ)
مطبع : جنگ پبلشرز پریس
13 سر آغا خان روڈ لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

LIBRARY
208.36
Punjab University Lahore

انتساب

شہیدانِ تحریک پاکستان کی شہادتوں آہوں، سسکیوں،
بے چارگیوں اور خون کے بہتے دھاروں کے نام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

۱۔	کون کتنا بڑا تھا؟	11
۲۔	کون جیتا کون ہارا؟	53
۳۔	شیرِ مسلم لیگ اور روباہ کانگریس	93

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

20836

حرفِ گزارش.....

ہم نے پاکستان بنتے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، میری عمر اس وقت تین چار سال ہو گی ہندو کا تصور نہ ہندو کی پہچان، ہندو کے اخلاق و اقدار کا علم، نہ تحریک پاکستان کا آنکھوں دیکھا حال، اساتذہ کرام نے کچھ پڑھایا، ماں باپ اور برادر بزرگ جناب پروفیسر محمد منور مرزا صاحب سے سیکھا بلکہ انہوں نے زبردستی سکھایا۔ تحریک پاکستان اور حضرت قائداعظمؒ کی محبت اور عقیدت، برادر بزرگ کی وجہ سے دل نشیں بھی ہوئی اور جزوِ جاں بھی بنی ـــــ کتابوں کے مطالعے کا شوق، زندگی کا مرغوب مشغلہ کبھی نہیں رہا، پہلے بھی یہی حال تھا اور اب بھی یہی کیفیت ہے۔ البتہ حضرت قائداعظمؒ سے والہانہ لگاؤ نے تحریک پاکستان اور قائداعظمؒ پر لکھی گئی کتب کے مطالعے سے ذوق میں الاؤ ضرور پیدا کیا ـــــ

وہ عظیم ہستی جس نے تخلیقِ پاکستان جیسا معجزہ کر دکھایا، میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، یہ سعادت میرے نصیب میں نہ تھی، لیکن مجھے یہ شرف ضرور حاصل ہوا ہے کہ مجھے کئی بار اس عظیم مرد مومن کی زیارت خواب میں کئی مرتبہ ضرور میسر آئی ہے، اور یہی میرا سب سے بڑا اعزاز بھی ہے، اس ہستی کو میں نے کیسا پایا، وہ کیا تھے، یہ صرف ذہن کا سرمایہ ہے جو محفوظ ہے۔ اگر تحریر کیا جائے تو ایک کتاب کا موضوع بنتا ہے ـــــ

حضرت قائداعظمؒ اور مہاتما گاندھی (ایک سنسنی خیز انکشافاتی اور تجزیاتی مطالعہ اور مقابلہ) میری کوشش ناتمام ہے، حقیری کاوش ہے، جس پر میں نے برصغیر کے ان دو بڑے سیاسی رہنماؤں کا دوسرے کئی مستند مصنفین اور محققین کی کتب سے آراء اکٹھی کر کے تجزیہ پیش کیا ہے، یہ موضوع دیکھا اور پرکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے، لیکن میں نے انتہائی مختصر اور جامع انداز میں اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات کو مجتمع کیا ہے، کہ کون کیا تھا۔ کس نے کیا کچھ کیا، کس نے کیا پایا، کس نے کیا کھویا، میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میری یہ معمولی سی کوشش اس پورے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موضوع پر محیط ہوگی۔ لیکن اتنا خیال ضرور پیش نظر ہے کہ میں نے اپنے ذوق و شوق کی روشنی میں ایک موہوم سی کاوش ضرور کی ہے۔۔۔ میں اپنے قارئینِ کرام کی علمی سطح پر اگر نہ پہنچ پاؤں تو معذرت کا طلب گار ہوں، بہرکیف ان کی قیمتی آراء، مشوروں اور تجاویز کا خیر مقدم بحیثیت حضرت قائداعظمؒ کے ایک طالب علم کے ضرور کروں گا، میرے لئے یہ سعادت ہوگی۔

تو اگر تقدیر نو فراہمی رواست!
زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است!

N-794 سمن آباد، لاہور

پروفیسر محمد مظفّر مرزا
شعبہ سیاسیات
گورنمنٹ کالج لاہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

20836

کون کتنا بڑا تھا

حضرت قائداعظمؒ خدا تعالیٰ کی ایک شاہکار تخلیق تھے۔ اگر دنیا کے سیاسی قائدین کا بنظرِ غائیر مطالعہ کیا جائے تو حضرت قائداعظمؒ سب سے بلند اور ارفع و اعلیٰ مقام کے مالک نظر آئیں گے، انہوں نے ایک خاص مقصدِ حیات کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں پابند ضوابط رکھیں، بچپن سے لے کر جوانی تک اور پھر جوانی سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک انہوں نے "کمپیوٹرائزڈ" زندگی بسر کی ـــــ ان کی تمام زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہو گا کہ ایک کامل ترین زندگی، بھرپور زندگی اور انقلاب آفرین زندگی کے حامل تھے، ان کی شخصیت و کردار میں کہیں بھی ذرا بھر جھول دکھائی نہیں دیتا ـــــ

گاندھی عمر میں حضرت قائداعظمؒ سے سات برس بڑے تھے، ان دونوں شخصیات کی مادری زبان گجراتی تھی، لیکن علمی زبان انگریزی ہونے کے ناطے، یہ زبان تمام زندگی عملی طور پر مستعمل رہی، گاندھی کا خاندان پور بندر سے بعد میں راج کوٹ منتقل ہوا اور حضرت قائداعظمؒ کا خاندان راج کوٹ سے کراچی منتقل ہوا، جہاں ان کے والد جناح پونجا نے چمڑے کے کاروبار میں دلچسپی لینی شروع کی اور بالآخر کراچی کے متمول تاجروں میں شمار ہونے لگے، یہ قدرت کا کرشمہ تصور کیا جائے یا حسن اتفاق کہ گاندھی انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد راجکوٹ سے بمبئی پہنچے اور حضرت قائداعظمؒ انگلینڈ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد کراچی سے بمبئی پہنچے اور خدا تعالیٰ نے برصغیر کی دونوں شخصیات کو بمبئی ہائی کورٹ میں پریکٹس کے لئے آمنے سامنے کھڑا کر دیا ـــــ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی کچھ عرصہ بعد برطانوی حکومت کی طرف سے ڈیکرونگ ایجنٹ کی حیثیت سے جنوبی افریقہ میں بھیج دیئے گئے۔ اور حضرت قائداعظمؒ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی مخصوص ڈگر پر جمے اور ڈٹے رہے۔

حضرت قائداعظمؒ نے اپنا مقام انتہائی تگ ودو، سخت محنت و مشقت اور جاں سوزی سے حاصل کیا تھا، ان کے خاندان میں کوئی ایسی بڑی مثال بھی نہ تھی کہ جس سے متاثر ہو کر وہ اپنی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کر سکتے، کوئی اتنی بڑی شخصیت بھی نہ تھی جو انہیں رہنمائی، تعلیم اور ہدایت سے ہمکنار کر سکتی، انہوں نے تو اپنا مقام خالصتاً اپنی ذاتی کاوشوں کے بل بوتے پر حاصل کیا تھا، محترمہ فاطمہ جناح تحریر فرماتی ہیں۔

"بمبئی ہائی کورٹ میں بیرسٹر کی حیثیت سے اپنا نام درج کرانے کے بعد کسی مقدس مذہبی فریضے کی طرح روزانہ عدالتوں کے چکر لگانا اور مہینوں ایک روپیہ کمائے بغیر شام کو اپالو ہوٹل کے محدود کمرے میں واپس آ جانا بہت ہی ناخوشگوار تھا، لیکن جب تکلیف دہ مہینے تین کربناک سالوں پر دراز ہو گئے۔ تو وہ فی الواقعہ شکستہ حال ہو گئے، اس وقت کراچی میں ان کے والد اور خاندان کو مقدمات اور مشکلات کا سامنا تھا، مگر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صورت حال ان کی توقعات کے قطعی برعکس تھی۔ جو انہوں نے کراچی سے بمبئی روانہ ہونے سے پہلے قائم کی تھیں، مایوسیوں اور ناامیدیوں میں بھی انہوں نے اپنے ٹھاٹھ برقرار رکھے لیکن وہ دل میں اپنی تشنہ آرزوؤں کی عدم تکمیل کی چبھن لگاتار محسوس کرتے تھے۔

ان تمام تر مشکلات کے باوجود جن میں سے وہ گزر رہے تھے، انہوں نے اپنے سماجی روابط برقرار رکھے۔ وہ اکثر بمبئی کی بہترین کلبوں میں آتے جاتے رہے، اور بمبئی کے معززین شہر کے گھروں میں منعقد ہونے والی پارٹیوں میں بھی مدعو کئے جاتے۔ اپنی عمر کی تیسری دہائی کے شروع میں وہ ایک انتہائی پرکشش نوجوان تھے، وہ دبلے پتلے اور چھا جانے والی شخصیت کے مالک تھے۔

گاندھی پر ایک کتاب جو کلکتہ میں ۱۹۳۲ء میں انگریزی میں چھپی جس کا نام ہے "مہاتما گاندھی اینڈ انڈیاز سٹرگل فار سوراج" "Mahatma Gandhi and Indias struggle for Swaraj by B.Sengupta" اس کتاب کا مصنف تحریر کرتا ہے کہ "گاندھی نے حکومت وقت کو اپنی تمام تر رضاکارانہ خدمات خوش دلی کے ساتھ مہیا کر دیں، جب کہ سلطنت کو ۱۸۹۹ء میں بائر کا چیلنج درپیش تھا۔ چنانچہ گاندھی نے والنٹیر ایمبولینس کور تیار کی، اس کی وجہ سے گاندھی کی خدمات کی تمام اخبارات میں تشہیر ہوئی، اور پھر اسی خدمت کے صلے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں انہیں جنگی تمغہ بھی حاصل ہو۔" (مذکورہ بالا کتاب کا صفحہ نمبر ۵)

اسی کتاب میں آگے چل کر مصنف پھر رقمطراز ہے کہ "میادارام کے مقام پر ۲۲ر مئی ۱۹۱۵ء میں تقریر کرتے ہوئے گاندھی نے سماجی اصلاحات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ہندوؤں کو انتباہ کیا اور کہا کہ میں نے محسوس کیا ہے کہ حقیقی ہندوازم میں ایسے وہ لوگ شامل نہ ہوں جنہیں اچھوت کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے یہ لوگ (اچھوت) ہندوازم کا ضروری حصہ ہیں تو میں بذات خود ایسے ہندوازم کے خلاف بغاوت پر اتر آؤں گا۔" (مذکورہ بالا کتاب کا صفحہ نمبر۶) یہ ہے وہ دوغلی سیاست جو گاندھی کی ساری سیاسی زندگی کا اوڑھنا بچھونا رہی، مہاتمائیت کے پرچار کا یہ عالم کہ بکری کا دودھ خوراک کا لازمی جزو تھا، لنگوٹی معتبر پہناوا اور اچھوتوں کی بستی میں رہائش ـــــ گاندھی کے مقابلے میں حضرت قائداعظمؒ کس ٹھوس عقیدے اور عوامی جذبے کے مالک تھے، اس ضمن میں ممتاز حسن مرحوم تحریر کرتے ہیں۔

"عام غریب مسلمان جناح کو کیا سمجھتے تھے، مجھے اس کا اندازہ ۱۹۴۶ء میں ہوا۔ جب جناح لندن کے مشرقی حصے کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے، لوگوں نے انہیں دیکھتے ہی صفیں کی صفیں خالی کر دیں تاکہ وہ سب سے آگے کی صف میں بیٹھ سکیں۔ اگرچہ انہوں نے آخری صف میں ہی بیٹھنا پسند فرمایا اور کہا کہ میں دیر سے آیا ہوں اور کسی اور جگہ کا مستحق نہیں۔ نماز ختم ہوئی تو چھوٹے چھوٹے بچوں نے انہیں گھیر لیا۔ وہ جناح صاحب کو قریب سے دیکھنے اور ان سے ہاتھ ملانا چاہتے تھے، ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی اپنی چھوٹی چھوٹی کاپیوں میں ان کے دستخط لینا چاہتے تھے، اس کے بعد ہر نمازی نے ان سے مصافحہ کیا۔ یہ خلوص اور عقیدت کا ایک بے مثال مظاہرہ تھا ایک شخص پر رقت طاری ہو گئی اور اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی کہ اے خدا میری زندگی محمد علی جناح کو بخش دے۔ یہ سارے کا سارا مجمع غریب مسلمانوں کا تھا۔ کوئی ملاح تھا کوئی چھوٹا دوکاندار، کوئی خوانچہ فروش، جناح نے نماز کے لئے یہ مسجد خود منتخب کی تھی۔ ان کا ارشاد تھا کہ میں کسی ایسی مسجد میں جانا چاہتا ہوں جو کسی فرقے کے لئے مخصوص نہ ہو اور جس میں غریب مسلمان نماز پڑھتے ہوں۔

ان کے خلوص اور اصول پرستی کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ جو دیانت اور روحانی بلندی وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ صدیوں میں بھی پیدا نہیں ہوتی۔ تقسیم سے پہلے جب مختلف فرقوں اور گروہوں کی شرپسندی اور فساد آمادگی کی خبریں آنے لگیں تو کچھ لوگوں نے جا کر ان کی خدمت میں عرض کی کہ مسلمانوں کو بھی ان کے مخالفین کی طرح ہتھیاروں اور گولہ بارود سے مسلح رہنا چاہئے۔ اور اس سلسلے میں قائداعظمؒ کو اقدام کرنا چاہئے۔ قائداعظمؒ یہ سن کر بہت برہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کیا تم لوگ مجھے منافق سمجھتے ہو کہ ایک طرف تو صلح کی اپیل پر دستخط کروں اور دوسری طرف تمہارے لئے ہتھیاروں کا بندوبست کروں۔ میں ہرگز ہرگز کسی ایسی تحریک کی حمایت نہیں کر سکتا۔ خواہ وہ مسلمانوں کی طرف سے ہو۔ خواہ غیر مسلموں کی طرف سے۔

اس سلسلے میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آگیا۔ پیرزادہ محمد ذکاء اللہ مرحوم نے جو تقسیم سے پہلے شملے کے ایک سرگرم مسلم لیگی کارکن تھے۔ مجھ سے فرمایا کہ جب قائداعظمؒ نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی تحریک شروع کی۔ تو ان کے ساتھ بہت کم آدمی تھے۔ مجھے خیال ہوا کہ کچھ ایسے آدمیوں کو مسلم لیگ میں لانا چاہئے جو عوام کے مجمعوں میں تقریر کرنے کے عادی ہوں۔ ایک عرصے کی کوشش کے بعد میں نے ایک مشہور و مقتدر غیر مسلم لیگی مسلمان کو مسلم لیگ میں داخل ہونے کے لئے رضامند کر لیا۔ مگر شرط یہ تھی کہ لیگ ان کے گزارے کے لئے سو روپے ماہوار انہیں دیا کرے۔ میرا خیال تھا کہ انہوں نے اس قدر کم رقم مانگنے میں بڑے ایثار کا ثبوت دیا ہے۔ خوشی خوشی جناح کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ دیکھئے قسمت نے یاوری کی ہے اور ایک مشہور و معروف کانگریسی کارکن جو ایک خوش بیان مقرر بھی ہے مسلم لیگ میں آنے کے لئے تیار ہے۔ بشرطیکہ ہم اس کے لئے فقط سو روپے ماہانہ کا بندوبست کر دیں۔ اب آپ اجازت دیں تو معاملہ طے ہو جائے۔ اور اگر ضروری ہوا تو ہم لوگ اس رقم کا بار لیگ کے مرکزی فنڈ پر بھی نہیں ڈالیں گے۔ خود ہی انتظام کر لیں گے۔ آپ کے کہنے کی دیر ہے۔ پیرزادہ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ قائداعظم میری بات سن کر مطلقاً خوش نہ ہوئے۔ بلکہ بلا توقف کہہ دیا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں اس تجویز سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے کہا کہ جناب والا میں نے تو سمجھا تھا کہ میں ایک اہم مژدہ لے کر آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اور آپ میری تجویز کا خیر مقدم کریں گے۔ آخر آپ کے پاس کارکن ہیں ہی کتنے اور ان میں سے کتنے ایسے ہیں جو عام مسلمانوں پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ جناح صاحبؒ نے کہا۔ دیکھو میاں تمہاری تجویز کو میں اس لئے قبول نہیں کر سکتا۔ کہ یہ کام مسلمانوں کا اپنا کام ہے۔ اور اسے کرنے کے لئے کسی مسلمان کو کوئی رشوت دینا میرے نزدیک قطعاً ناجائز ہے۔ اگر آپ کے دوست واقعی یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں مسلم لیگ میں آکر کام کرنا چاہئے۔ تو اس کے لئے شرطیں ٹھہرانا کیا معنی، دوسرے ہم ایک غریب قوم ہیں آپ کے دوست ہم سے صرف ایک سو روپے مانگتے ہیں۔ اگر ہم ان کی شرط منظور بھی کر لیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ ہم سے زیادہ مالدار قومیں انہیں اس سے زیادہ رقم دے کر دوبارہ ہم سے نہیں چھڑا لیں گے تو ہم دل و جان سے ان کا استقبال کریں گے۔ جو روکھی سوکھی ہمیں میسر ہے۔ اس میں وہ بھی ہمارے حصے دار ہوں گے۔ لیکن اگر وہ پیشگی کوئی شرط کرنا چاہتے ہیں۔ تو بہتر ہو گا کہ جہاں ہیں وہیں رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ وہ صاحب مسلم لیگ کا کام کرنے کو تیار نہیں ہوئے "۔۔۔

(نقوش قائداعظمؒ مضمون: سالار قوم تحریر: ممتاز حسن مرتبہ: پروفیسر رحیم بخش شاہین صفحہ نمبر ۱۱ - ۱۰)

حضرت قائداعظمؒ کی بے پایاں مخلص کاوشوں، بے اندازہ ذہنی قابلیتوں اور مسلمانانِ ہند کے ضمن میں ان کی غیر متزلزل قیادت کی بنا پر خدا تعالیٰ نے انہیں بے شمار برکتوں اور عظمتوں سے ہمکنار کیا تھا انہوں نے برصغیر کی سیاست میں اپنا مقام اپنی محنت شاقہ اور شبانہ روز کاوشوں سے بہت جلد پیدا کر لیا تھا۔ ان کے مقابلے میں گاندھی جو ہندو اکثریت کا سیاسی قطب مینار تھا، وہ حیثیت اور مقام حاصل نہ کر سکے۔۔۔ جناب پروفیسر محمد منور مرزا تحریر کرتے ہیں۔ کہ "مہاتما گاندھی جنوری ۱۹۱۵ء میں افریقہ سے لوٹے تھے، اور انہیں بمبئی کی پبلک سے متعارف کرانے کے خواہاں کانگریسیوں نے بقول بیجنیک چند جلسے کئے۔ ان میں سے دوسرے جلسے کی صدارت کرنے کے لئے قائداعظمؒ سے خصوصی درخواست کی گئی تاکہ قائداعظمؒ کی جاذب شخصیت کی بدولت زیادہ لوگ آئیں اور گاندھی جی سے متعارف ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب میثاق لکھنؤ وجود میں آیا۔ اس وقت ابھی گاندھی جی کانگریس میں کسی اہمیت کے مالک نہ تھے، لہٰذا وہ لکھنؤ پیکٹ کے وجود میں آنے کی راہ نہ روک سکے "۔۔۔

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مصنف عبدالوحید خان مقدمہ از پروفیسر محمد منور مرزا صفحہ نمبر ۱۱)

ہماری نئی نسل کو چونکہ ہندو سے پالا ہی نہیں پڑا۔ لہٰذا وہ یہ سمجھنے کی صلاحیت سے قاصر ہے کہ ہندو کیا ہے؟ یہ وہ برخود غلط قوم جو انتہائی مکار اور عیار ہے جس کا ظاہر اور باطن کا تعین کرنا مشکل ہے، ہیرا پھیری، فریب کاری اور دھوکہ دہی میں جواب نہیں رکھتے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے کچھ وہ پاکستانی حضرات جنہوں نے انگریزی دور حکومت دیکھا ہے ہندو کی چیرہ دستیوں اور مظالم کو بچشم خود دیکھا۔ متحدہ ہندوستان کی تقسیم کو غلط تصور کرتے ہیں۔ وہ اپنی نئی نسل کو ہندو ذہنیت کے باب میں کیا تربیت کرتے ہوں گے۔

حضرت قائداعظمؒ نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن (جالندھر) کے اجلاس میں جو ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا "مشکل یہ ہے کہ گاندھی جی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں اور جو ان کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے کبھی زبان پر نہیں لاتے۔"

اگست ۱۹۴۵ء کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے حضرت قائداعظمؒ نے فرمایا تھا۔ "ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے۔ وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جب ان کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(یعنی مہاتما گاندھی کے) یہاں مفید مطلب نہیں ہوتا تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندہ نہیں ہیں وہ محض انفرادی حیثیت سے گفتگو کر رہے ہیں۔ وہ کانگریس کے چار آنہ کے ممبر بھی نہیں ہیں۔ اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کا واحد نمائندہ بن جاتے ہیں۔ جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرن برت رکھ لیتے ہیں۔ جب کوئی دلیل نہ بن پڑے تو "اندرونی آواز" کو بدل لیتے ہیں۔ کہئے ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کریں وہ تو ایک چیستاں ہیں، معمہ ہیں" ـــــ

یہ تھی گاندھی کی سیاسی حیثیت، ان کا سیاسی موقف اور ان کا سیاسی نظریہ اس کے باوجود ہندوؤں کے گرو دیو اور مہاتما۔ جس قوم کے کماندارِ اعلیٰ کے اخلاق، اصول اور ضابطہ حیات یہ ہو گا اس قوم کی مجموعی ذہنیت اور اجتماعی اخلاق و ضوابط کا کیا کہنا ـــــ ایسا قائد اگر اسلامیان ہند کے بارے میں اپنی ہمدردیاں اور وفاداریاں جتلائے تو ان کا مفہوم کیا ہونا چاہئے چنانچہ تحریک پاکستان جیسے جیسے اپنے مراحل طے کر رہی تھی گاندھی اتنے ہی غمزدہ اور پریشان رہتے تھے جب پاکستان کا ریزولیوشن پاس ہوا تو مسٹر گاندھی کے تن بدن میں آگ لگ گئی چنانچہ انہوں نے ۱۷ر اپریل ۱۹۴۰ء کو اپنے بیان میں کہا۔

"میں پوری جرأت و جسارت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہوں کہ مسٹر جناح اور ان کے ہم خیال حضرات اپنی اس روش سے اسلام کی کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے بلکہ وہ اس پیغام کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو لفظ اسلام کے اندر پوشیدہ ہے۔ مجھے یہ کہنے میں ضرورت اس لئے پیش آئی کہ آج کل مسلم لیگ کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے میرے دل پر سخت ٹھیس لگ رہی ہے۔ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کروں گا اگر میں ہندوستان کے مسلمانوں کو اس دروغ گوئی سے متنبہ نہ کر دوں جس کا اس نازک وقت میں ان میں پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔"

(ہندو کیا ہے؟ انجمن اشاعت نظریہ پاکستان، صفحہ نمبر ۲۱)

مگر دوسری طرف حضرت قائداعظمؒ کا معیار اخلاق و سیاست یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے تو کیا ہندو قوم اور انگریز قوم کو بھی کبھی ورغلانے یا دھوکہ دینے کی کبھی کوشش ہی نہ کی تھی، وہ ان باتوں کو بداخلاقی اور بے ایمانی تصور کرتے تھے ـــــ

نوائے وقت ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۱ء کے سرراہے میں، سکھوں کے حوالے سے بڑا خوبصورت مضمون باندھا گیا ہے جسے ذیل میں درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ـــــ

"آزاد خالصتان کے لئے جدوجہد کرنے والی سکھوں کی عالمی تنظیم ببر خالصہ انٹرنیشنل۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یوم قائداعظمؒ کے حوالے سے پاکستانیوں کو خصوصی پیغام بھیجا ہے جس میں قائداعظمؒ کی قائدانہ صلاحیتوں کو شاندار خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اگر سکھوں کو بھی قائداعظمؒ جیسا رہنما مل جاتا تو آج ان کا شمار بھی دنیا کی آزاد اقوام میں ہوتا۔ خط میں ہندو سامراج کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کس طرح ہندو سامراج سکھ بہو، بیٹیوں کی عصمتوں کے آنچل تار تار کر رہا ہے۔

ہر قوم اپنی زبان سے اپنے لیڈر کی تعریف کرتی رہتی ہے۔ لیکن سچی تعریف وہی ہے جو غیروں کی زبان سے ہو۔ قائداعظمؒ کی تعریف کرنے پر نہ صرف سکھ مجبور ہیں بلکہ بعض ہندو دانشوروں نے بھی قائداعظمؒ کو شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مسز سروجنی نائیڈو جسے ہندو جاتی نے "بلبل ہند" کا خطاب دے رکھا تھا، قائداعظمؒ کے بارے میں کہتی ہیں کہ اگر مسلم لیگ کے پاس نہرو اور گاندھی جیسے ہزاروں لیڈر ہوتے تو وہ کبھی پاکستان بنانے میں کامیاب نہ ہوتے۔ لیکن کانگریس کے پاس اگر ایک بھی جناح ہوتا تو ہندوستان کبھی تقسیم نہ ہوتا۔" ـــــ

(روزنامہ نوائے وقت، ۲۸ر دسمبر ۱۹۹۱ء، سرراہے)

حضرت قائداعظمؒ اگر مادی اور جسمانی ہوس کے مقیّد ہوتے، تو انہیں برصغیر میں ہر شے میسر آ سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے ہندو اکثریت اور انگریز حکومت کو ثابت کر دیا تھا کہ انہیں نہ خریدا جا سکتا ہے نہ ہی بیچا جا سکتا ہے۔ ہندوؤں اور انگریزوں نے کیا کیا لالچ اور چکاچوند نظارے نہ دکھائے ہوں گے مگر اس مردِ مومن کے پائے استقلال پر ذرا بھر لرزہ پیدا نہ ہوا ـــــ ان کی شخصیت ایک کامل دین شخصیت تھی۔ ان کے قلب و دانش میں باہمی آویزش کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ مزاجاً ٹھوس اور غیر متزلزل طبیعت کے مالک تھے۔ لہٰذا یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں بھی سرخرو تھے اور اپنی ملّت کے افراد کی نظروں میں بھی عزّت مآب تھے۔ انہوں نے تمام عمر جس چیز کا خیال رکھا وہ ان کا استحکامِ کردار تھا، جس پر تاریخ آج تک یہ ثابت نہ کر سکی کہ انہوں نے کبھی غفلت کا ارتکاب کیا ہو۔ اس ضمن میں ان کی زندگی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسلامیانِ ہند کا ان کی ذات پر مستحکم ایمان اور ایقان اسی وجہ سے تھا ـــــ ان کی شخصیت کے اس پہلو کو بچپن سے لے کر بڑھاپے تک پرکھا جائے تو یوں لگتا ہے جیسے انہوں نے یہ زندگی بسر فرمائی ـــــ

ایک طرف کردار کی مضبوطی کا یہ عالم تھا تو دوسری طرف مہاتما گاندھی جو برصغیر کی ہندو قومیت کے باپو اور مہاتمائیت کے علمبردار، خود ہی اپنی خودنوشت جس کا نام ہے، "تلاشِ حق"۔ اس میں تحریر کرتے ہیں۔ "میری شادی کے دوران ہماری بیل گاڑی الٹ گئی، جس سے میرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والد شدید زخمی ہو گئے۔ میں شادی کی دلچسپیوں میں اپنے زخمی والد کو بھول گیا۔ کیونکہ نفسیاتی خواہشات مجھ پر غالب آ گئی تھیں ـــــ اگرچہ میری شادی ہو چکی تھی مگر میں بہت کمزور اور بزدل تھا رات کو گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی اندھیرے میں سونا ممکن نہ تھا۔ مجھے وہم تھا کہ ایک طرف سے بھوت آ رہے ہیں، دوسری طرف سے چور، تیسری طرف سے سانپ. میں اپنے خوف کو اپنی بیوی پر بھی ظاہر نہ کر سکتا تھا اگرچہ وہ میرے کمرے میں سوتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ اسے اندھیرے میں کسی طرح کا ڈر نہ لگتا تھا۔ مجھے سگریٹ کا دھواں اچھا لگتا تھا۔ سگریٹ پینے کے لئے ہم نے نوکروں کی جیبوں سے پیسے اڑانا شروع کر دیئے۔ جب میری عمر بارہ سال کی تھی تو میں نے پہلی چوری کی اور اپنے بھائی کے بازو بند سے سونے کا ایک ٹکڑا چرایا۔ اسے بیچ کر میں نے وہ قرض ادا کیا جو سگریٹ نوشی کے سلسلے میں مجھ پر ہو گیا تھا۔

یہ بات مجھے بہت بری محسوس ہوتی تھی۔ کہ ہم بڑوں کی اجازت کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ زندگی سے تنگ آ کر ہم نے خودکشی کی ٹھان لی۔ سنا تھا کہ دھتورے کے بیج زہر قاتل ہوتے ہیں۔ جنگل سے بیج لائے اور شام کا وقت خودکشی کے لئے مقرر کیا رات آئی تو جی ڈوبنے لگا اور سوچا کہ آزادی نہ سہی غلامی ہی سہی۔ مگر مرنے سے کیا حاصل۔ زندگی میں کچھ تو مزا ہے۔ مر کر کیا لیں گے۔

رات کا وقت تھا۔ میں اپنے والد کے پاؤں دبا رہا تھا جو بسترِ مرگ پر تھے. میرا دل سونے کے کمرے میں جانے کو چاہا. میں اندر گیا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر نے دروازہ کھٹ کھٹایا اور کہا پتا جی گزر گئے..... میرا دل شرم سے ڈوبنے لگا کہ آخری وقت میں ان کے پاس نہ رہا ـــــ

کلکتہ یونیورسٹی کے پروفیسر نرمل کمار بوس نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے "گاندھی جی کے ساتھ میرے ایّام" ـــــ مصنّف تحریر کرتے ہیں۔ "گاندھی جنہیں ساری دنیا نہ جانے کیا سمجھتی تھی۔ آدھی رات کے وقت کانپتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے قریب سونے والی کسی عورت سے کہتے کہ وہ انہیں پانچ دس منٹ تک اپنے گلے سے لگا لے تاکہ ان کی کپکپاہٹ دور ہو جائے۔ میں چونکہ ان کے ساتھ رہتا تھا۔ لہٰذا اکثر یہ دیکھ کر کوفت ہوتی تھی۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ اس طرح وہ اپنی پاکیزگی نفس کا امتحان لیتے ہیں۔ میری رائے میں یہ محض فریب تھا۔ کیونکہ گاندھی جی کی ستم رسیدہ وہ لڑکیاں ہسٹریا کا شکار ہو جاتی تھیں۔ اور ان کی شخصیت بری طرح متاثر ہوتی تھی۔

نرمل کمار بوس لکھتے ہیں کہ ان واقعات کو دیکھ کر مجھے گاندھی جی سے نفرت ہونے لگی اور میں نے انہیں چھوڑ دیا اور واپس چلا آیا۔ مگر اس مسئلے پر میری ان سے خط و کتابت جاری

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہی۔

گاندھی نے اپنی خود نوشت کتاب میں لکھا ہے، کہ "میری بیوی کے بچہ ہونے والا تھا۔ افریقہ میں کسی دائی کا بندوبست نہ ہو سکتا تھا۔ میں نے حواس قابو میں رکھ کر دائی کے فرائض ادا کئے۔ اس طرح بچہ پیدا ہو گیا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ بچہ کی پیدائش کا مشغلہ قومی خدمت کے منافی ہے اور اگر مجھے قومی خدمت کرنی ہے تو مجھے تجرد کی زندگی بسر کرنا ہو گی۔ یہ سوچ کر میں نے "برہم چاری" ہونے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ گاندھی نے برہم چاری ہونے کا جو ڈھونگ رچایا تھا یہ ہے اس کا پس منظر۔۔۔

نرمل کمار بوس کے ایک خط کے جواب میں گاندھی لکھتے ہیں۔

"آپ کا یہ قیاس غلط ہے کہ میرے ان تجربات سے عورت کا مقام کم ہوتا ہے۔ میری رائے میں برہمچاریہ کا حلف اٹھانے سے پہلے بیوی تک میری نظر میں حقیر تھی۔ لیکن اس حلف کے بعد میری بہن بھی میرے ساتھ لیٹ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

گاندھی آخری وقت تک دو لڑکیوں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر چلتے تھے۔ یہ لڑکیاں گاندھی کی بیساکھیاں یا چھڑیاں کہلاتی تھیں ان میں سے ایک منو گاندھی تھی۔ جس نے "باپو میری ماں" کے نام سے گاندھی کے ساتھ اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں۔ منو کی ماں مرتے وقت اس کا ہاتھ گاندھی کے ہاتھ میں دے گئی تھی اس وقت منو بارہ سال کی تھی۔ گاندھی نے اسے پالا۔ وہ لکھتی ہے کہ جب میری عمر ۱۹ برس کی ہوئی تو گاندھی مجھے اپنے کمرے میں سلانے لگے۔ دوسری لڑکی کا نام ابھا ہے۔ یہ ابھی تک زندہ ہے اس کا کہنا ہے کہ ایک دفعہ میرے شوہر کانو گاندھی کے پاس گئے اور ان کے ساتھ میرے سونے پر اعتراض کیا۔ اور کہا "باپو اگر رات میں آپ کو سردی لگتی ہے۔ اور آپ صرف گرمی حاصل کرنے کے لئے کسی کو اپنے ساتھ سلانا چاہتے ہیں تو مجھے اس خدمت کا موقع دیجئے۔ مگر گاندھی نہ مانے۔"

متحدہ ہندوستان کے آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی پہلی برسی کے موقع پر رچرڈ ہوف کی جو کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس میں اس نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی خوبصورت بیوی ایڈونا کے پنڈت جواہر لال سے معاشقے کی داستان ہی نہیں چھاپی بلکہ اس کے متعدد معاشقوں پر روشنی ڈالی ہے۔ حتیٰ کہ یہاں تک لکھا ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح ؒ کو دام تزویر میں پھانسنے کے لئے یہ چکر چلایا گیا۔ لیکن قائداعظم ؒ کو سوائے حصول پاکستان کے کسی بات سے دلچسپی نہ تھی۔ رچرڈ ہوف نے لکھا ہے کہ "گاندھی بھی ایڈونا کے سحر کا شکار ہو گیا تھا۔" رچرڈ ہوف نے اپنی اس کتاب کا نام "ماؤنٹ بیٹن ہمارے دور کا ہیرو" رکھا۔ رچرڈ ہوف برطانوی بحریہ سے متعلق رہا ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ دور دراز کے سفر طے کئے ہیں۔

مہاتما گاندھی اپنے آپ کو اہنسا کا اوتار کہتے تھے۔ اہنسا کا مطلب یہ ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو تشدّد کا استعمال نہ کیا جائے۔ انجیل کے مطابق ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال سامنے کر دینے سے انجیل کی تعلیم پر عمل کا اظہار ہے۔ لیکن گاندھی کا اپنا یہ عمل تھا کہ سندھ میں غالباً ۱۹۳۹ء میں مسجد منزل گاہ کے سلسلہ میں ہندو مسلم فساد ہو گیا اور ہندوؤں نے مسلمانوں پر بے حد مظالم ڈھائے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد کوٹلیا کے اصول سیاست کے مطابق واویلا شروع کر دیا اور مہاتما گاندھی کو تار کے ذریعے مسلمانوں پر تشدد کا الزام دھرا۔ اہنسا کے اوتار گاندھی نے بلا تحقیق و تفتیش اپنے اخبار میں لکھا۔

"اہنسا ایک دن میں نہیں سیکھا جاتا۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ جیسے دنیا برتتی چلی آئی ہے۔ یعنی جان و مال کی حفاظت ہتھیاروں کے ذریعے کی جائے۔ سندھیوں (ہندوؤں) کو چاہئے کہ لٹیروں اور حملہ آوروں سے اپنی حفاظت کا ڈھنگ سیکھیں۔" (اخبار۔ ہریجن مورخہ ۱۲-۲-۳۹)

اسی اہنسا کے اوتار نے جنگ عظیم دوم کے آغاز پر انگریزوں سے کہا تھا کہ ہٹلر کا مقابلہ ہتھیاروں سے نہ کرو۔ اہنسا (عدم تشدد) کے ذریعے کرو۔

عبدالغفار خان کو گاندھی نے اپدیش دیا تھا کہ پٹھانوں سے چاقو چھین لو تاکہ اہنسا (عدم تشدد) میں ذرا سی بھی تشدد کی لاگ نہ رہے اور دوسری طرف کلکتہ کی عورتوں کو تاکید کی جا رہی تھی کہ اپنے پاس پستول اور بندوق رکھو اور فائر کرنا سیکھو۔

حضرت قائداعظمؒ نے گاندھی کے ضمن میں بڑی خوبصورت رائے دی تھی۔ انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا۔ "مشکل یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان سے کہتے ہیں۔ اور جو ان کا درحقیقت مقصد ہوتا ہے اسے وہ زبان پر نہیں لا سکتے" ــــــــ

• ایک دن گاندھی جی شوگرام آشرم میں اپنی کٹیا میں بیٹھے پرارتھنا میں محو تھے کہ ایک کونے سے ایک سانپ اندر گھس آیا۔ مہاتما جی خاموشی میں اپنی پرارتھنا میں مصروف رہے۔ سانپ نے کٹیا کا چکر کاٹا اور آہستہ سے واپس چلا گیا۔ ہندو اخبارات نے اسے مہاتما جی کی کرامت قرار دے کر خوب اچھالا۔ صبح کو یہ خبر اخبارات میں شائع ہوئی۔ تو ایک اخبار کا رپورٹر قائداعظمؒ کے پاس آیا اور اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد ان سے پوچھا کہ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ قائداعظمؒ نے سر ہلایا اور نہایت سنجیدگی سے فرمایا۔ "ہاں، یہ پیشہ ورانہ آداب تھے" ــــ یعنی سانپ اور گاندھی ہم پیشہ تھے۔ اس لئے سانپ نے انہیں کچھ نہیں کہا۔ یہ وہ لطیف طنز ہے جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا لطف لیا جا سکتا ہے سمجھایا نہیں جا سکتا" ـــــ

(مقصد پاکستان ـــــ مصنفہ ظہیر الاسلام فاروقی، صفحہ نمبر ۱۳۵ - ۱۳۱)

"وہ قوم جس کے معبود آدھے انسان ہوں اور آدھے حیوان، ان کے کئی کئی سر ہوں، کئی کئی زبانیں اور کئی کئی دست و بازو تو ایسی قوم اپنے بتوں ہی کی طرح بلند شعار اور عالی فکر ہو گی۔ پھر اگر وہ کئی کئی ہاتھ دکھائے۔ بیک وقت کئی کئی متضاد باتیں کرے، ظلم کو کرم جانے اور کرم کو ظلم، ایفا کو دغا فرض کرے اور بر عکس کو بر عکس تو کوئی ایسے اچنبھے کی بات نہیں ـــــ لہٰذا ہندوؤں کے قائد اگر تضادات کے بادشاہ بھی ہوں تو ہندو قوم کی نفسیات کو یا ضمیر کو کوئی دھچکا نہیں لگتا۔ اول تو یہ کہ ایسی اجتماعی نفسیات کے عالم میں کسی ضمیر کا تعین کیا معنی رکھتا ہے۔ نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے حمید نظامی مرحوم کے ایک خط کے جواب میں مندرجہ ذیل دلچسپ کلمات قلمبند کئے تھے۔

"مجھ سے لوگ اکثر شکایت کے انداز میں کہتے ہیں کہ ہندو اپنے ناقص کو بھی آسمان پر پہنچاتا ہے اور مسلمان اپنے کامل کی بھی ٹانگ کھینچتا ہے۔ میں اس میں مسلمان کا نقص نہیں، حسن دیکھتا ہوں ہندو کا ناقص بہرحال اس کی گائے، گنگا، پیپل اور سنگ ہائے ناتراشیدہ سے اچھا ہے جو اس کے لئے معیار کمال ہے اور مسلمانوں کا کامل بھی مسلمان کے معیار کمال یعنی قرن اول کی قیادت پر پورا نہیں اترتا" ـــــ

(مکاتیب بہادر یار جنگ صفحہ نمبر ۵۴۸ بہادر یار جنگ اکیڈمی، کراچی)

ہندو اور مسلمان کے مزاج میں بنیادی فرق اور ہے۔ اس باعث دونوں قوموں کی اجتماعی نفسیات کا اختلاف ہے۔ ایک خدا، ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب پر ایمان رکھنے والی قوم، ناتربیت یاب ہونے کے باعث عملاً پست اور ذلیل بھی ہو جائے تو بھی اس کے معیار پست اور ذلیل نہیں ہوتے ـــــ دوسری طرف نراد چوہدری، ہندو ہوتے ہوئے، ہندو قوم کی اس صورت حال پر روشنی ڈالتے ہیں کہ ہندو کی نفسیاتی روح پر تضاد کی قسم کی کوئی خراش نہیں آئی۔ اس لئے کہ وہاں اس قسم کی ہر شے داخل و شامل مزاج ہو کر گھل مل جاتی ہے اور فٹ بیٹھتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو قوم ہر طرح کے عقیدے کی مالک ہو کر بھی اور اس کی دشمن ہو تو بھی ہندو ہی رہے اسے تضاد کا شعور ہو کیونکر؟ نراد چوہدری کے بیان کا ملخص یہ ہے کہ ہندو کی شخصیت ہیبت ناک حد تک دوغلی ہوتی ہے یہ خود اپنی ذات میں اپنے ہی خلاف منقسم رہتا ہے اور یہی اس کی ساری تاریخ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کہیں انسانی وجود میں تضاد موجود ہوتے ہیں۔ لیکن اصول عام یہ ہے کہ فضائل کا ایک مجموعہ اپنے متضاد و متخالف پہلوؤں کو پیچھے دھکیل کر حاوی ہو جاتا ہے۔ مگر ہندوؤں کے یہاں ایک طرح کے خصائل، متضاد خصائل کو دبانے کی بجائے ایک دوسرے کو نہ ادھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا رہنے دیتے ہیں نہ ادھر کا۔ اس طرح کھینچا تانی جاری رہتی ہے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا. لہٰذا ان کے افعال و اعمال نامعقول ہو کر رہ جاتے ہیں۔۔۔"

(The Continent of Circe.by Nirad.C Chaudhri P-97)

نراد سی چوہدری کا مطلب یہ ہے کہ ہندوؤں کے یہاں کوئی خصلت حاوی نہیں ہوتی ابھی یہ، ابھی وہ، ابھی کچھ اور ابھی کچھ اور ظاہر ہے کہ اتنے معبودوں اور اتنے رنگوں والے اور بلند و پست معبودوں کے حضور سجدہ ریز ہونے والوں کی مجموعی اور اجتماعی نفسیات ہو بھی کیا؟ نراد چوہدری اسی صفحہ پر بعض بیک وقت پائے جانے والے ان متضاد خصائل کا، جو ہندوؤں کی اندرونی اور بیرونی سیاست پر خاص طور پر اثر انداز ہوتے ہیں، ذکر کرتے ہیں اتفاق و اتحاد کے شعور کے ساتھ ساتھ انتشار اور کھنڈت کی جانب بے پناہ میلان، اجتماعی ڈھنگ اور گھمنڈ کے ترانے گانے کے ساتھ ساتھ، پیچ سیئرزی کا ذوق، غیر ملکیوں (اجانب) سے شدید نفرت کے ساتھ ساتھ تخریب پسندانہ انفرادیت، تشدد کے ساتھ ساتھ عدم تشدد، جنگ پسندی کے ساتھ ساتھ امن جوئی، سب کچھ قبضا لینے کی ہوس کے ساتھ ساتھ اپنی ملکیت سے بے نیازی، شجاعت کے ساتھ ساتھ بزدلی، ہوشیاری کے ساتھ ساتھ حماقت، یہ جملہ متضاد اوصاف بیک وقت موجود نہ ایک پہلو حاوی نہ دوسرا۔ چنانچہ کوئی پکی بات، کوئی ایک راہ، کوئی ایک طرز عمل، کوئی ایک معین نظریہ وغیرہ کی سی چیزیں ہندو کی سمجھ ہی میں نہیں آتیں۔ یہاں ہم مہاتما گاندھی کی مثال پیش کرتے ہیں جو ہندو قوم کے دور جدید کے "اوتار" ہیں۔ وہ اس روشن اور جمہوری دور کے ہندو معاشرے کے نمائندے اور خود ہندوؤں کے خیال میں ان کے صادق ترین ترجمان ہیں۔ انہی کی مثال سے (اور ان کے "اوتارتا" پر ہندو کے ایمان کے پیش نظر) پورے ہندو معاشرہ کو سمجھا جا سکتا ہے۔ مہاتما گاندھی لکھتے ہیں۔

"میں جب لکھتا ہوں تو ہرگز یہ خیال نہیں کرتا کہ پہلے کیا لکھ چکا ہوں میرا مقصد یہ کبھی نہیں ہوتا کہ کسی خاص مسئلہ پر میں جو کچھ پہلے بیان دے چکا ہوں، اس کے ساتھ ہم آہنگ رہوں۔ میرا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ جو صداقت ایک خاص لمحے میں مجھے جس طرح دکھائی دیتی ہے اس کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کروں۔"

(The Moral Political Thought of Mahatma Chandhi by Raghwan N.Iyer P-1?)

سردار سردول سنگھ کویشر کہتے ہیں۔ کہ "مہاتما گاندھی کی صداقت، نا صداقت پر استوار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ان کا عدم تشدد، متشددانہ صداقت ہے" ___

(Gandhism Verses Commonsense—P-12)

وہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے کیمونل ایوارڈ کے باب میں کہا کہ آپ کی قرار داد ہے، "ہم کیمونل ایوارڈ کو نہ منظور کرتے ہیں اور نہ نامنظور بھی۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے ہم کیمونل ایوارڈ کو منظور بھی کرتے ہیں اور نامنظور بھی۔" گاندھی بولے "تمہاری تجویز جچتی نہیں" حالانکہ دکھ کی بات یہ ہے کہ ان کا اپنا اظہار بھی اتنا ہی مضحکہ خیز تھا" ___

(Gandhism Verses Commonsense -P-12)

لارڈ لنلتھگو کا بیان ہے کہ جب جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو مہاتما گاندھی اور قائداعظمؒ کو الگ الگ مشورے کے لئے بلایا گیا۔ گاندھی نے باتوں باتوں میں آنسو بہانا شروع کر دیئے کہ پارلیمینٹ ہاؤس پر جرمن بم برسیں گے۔ ویسٹ منسٹر ایبے برباد ہو گا، کیا بنے گا! میں اس جنگ پر اس طرح غور کرتا ہوں گویا میرا دل ایک انگریز کا دل ہے۔ ظاہر ہے کہ لارڈ لنلتھگو بہت متاثر ہوا۔ لہٰذا اس نے یہاں تک کہا کہ میں نے یہ بندوبست بھی کر دیا ہے کہ آپ کو تازہ صورت حال سے آگاہ رکھوں۔" (The Viceroy At Bay P.136-243)

مگر سچائی کے دیوتا وائسرائے کے یہاں سے اٹھے اور اگلے روز کانگریس کی ورکنگ کمیٹی سے جا کے برطانیہ کی جنگی مساعی کے باب میں کامل عدم تعاون کا ریزولیوشن منظور کرا دیا۔

مہاتما گاندھی کے بارے میں ایک بار قائداعظمؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "کوئی شخص مسٹر گاندھی سے کس طرح بات کرے۔ ان کی کئی حیثیتیں ہیں اور وہ حیثیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً ان کی ذاتی حیثیت، کانگریس کے ڈکٹیٹر کی حیثیت، پھر یہ حیثیت کہ وہ کانگریس کے چار آنے کے ممبر بھی نہیں، تیسری حیثیت یہ کہ وہ ہندو مسلمان سب کے نمائندے ہیں۔ چوتھی حیثیت اور وہ سب سے عظیم ہے اور وہ ان کی مہاتمائی ہے اور پھر یہ کہ ان کی اندرونی آواز ہے اور اس آواز کی تاویل کا حق انہی کو اور فقط انہی کو پہنچتا ہے۔ غرض کوئی آدمی یہ نہیں جان سکتا کہ مسٹر گاندھی کس خاص وقت میں کس حیثیت کے مالک ہوں گے ___"

(مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ۔ مصنفہ عبدالوحید خان دیباچہ از پروفیسر محمد منور مرزا، صفحہ نمبر ۴۱۲ - ۴۰۸)

ایس کے موجمدار جنہوں نے "جناح اور گاندھی" کے موضوع پر کتاب ترتیب دی لکھتے ہیں۔ "ہندوستان چھوڑ دو کا اقدام پوری طرح ناکام ہو گیا اور گاندھی نے دین کی سچائی کا جو دعویٰ کیا اس کی قیمت ہندوستان کو ادا کرنا پڑی۔ جناح نے کانگریس کی حماقتوں کا پورا پورا فائدہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اٹھایا اور اپنی پوزیشن مسلم عوام اور حکومت برطانیہ کی نظر میں ایسی مضبوط کر لی کہ اب جناح اور مسلم لیگ کو چھیڑنے کی ہمت کسی کو نہ رہی۔ ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے سلسلے میں کانگریس کی قیادت جیل میں تھی اور سیاسی میدان پوری طرح مسلم لیگ کے تصرف میں تھا اس موقع سے قائداعظم نے فائدہ اٹھایا اور نچلے نہیں بیٹھے بلکہ اس دوران لیگ کی تنظیم کو مضبوط و مستحکم کرنے اور پاکستان کی تحریک سے عوام کو روشناس کرانے میں لگے رہے۔"

(جناح اور گاندھی۔ مرتبہ ایس کے موجمدار، صفحہ نمبر ۱۹۷ - ۱۹۶)

(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا قائداعظم۔ مرتبہ زاہد حسین انجم، صفحہ نمبر ۲۱۷)

"قائداعظم محمد علی جناح کے تمام سوانح نگار جن میں انگریز بھی شامل ہیں۔ قائداعظمؒ کی تین صفات محنت، دیانت اور جرأت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ ان کے بدترین دشمنوں نے بھی اعتراف کیا کہ وہ ایک دیانت دار شخص تھے ان کی دیانت کی کئی مثالیں ہیں۔ یہاں سب کا ذکر کرنا تو محال ہے۔ تاہم چند ایک مثالیں دی جا رہی ہیں۔

پروفیسر ابوبکر حلیم نے آر سی ڈی سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ایک جلسے میں جو ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو کراچی میں منعقد ہوا، اس میں انہوں نے بتایا۔

"ایک مرتبہ جنگ عظیم کے زمانے میں جب کار کی بیٹری پر کنٹرول تھا، قائداعظمؒ کی کار کی بیٹری خراب ہو گئی انہوں نے متعلقہ انگریز افسر کو اس بیٹری کے حصول کے لئے خط لکھا بعد ازاں کئی روز بعد ایک دعوت میں ان کی اس انگریز افسر سے ملاقات ہوئی تو قائداعظمؒ کے استفسار پر اس نے پوچھا کہ انہوں نے جنگی فنڈ میں کتنی امداد دی ہے۔ قائداعظمؒ نے اس سے کہا کہ وہ تحریری طور پر بات ان سے پوچھے۔ اس انگریز افسر نے کئی ہفتوں تک بیٹری کے حصول کے معاملے کو دبائے رکھا۔ قائداعظمؒ اس تمام عرصے میں تکلیف برداشت کرتے رہے لیکن انہوں نے بلیک سے بیٹری نہیں خریدی۔ کیونکہ یہ ان کے اصول کے خلاف تھا۔

"قائداعظم محمد علی جناح ایماندار اور اصول پسند تھے۔ ایک مرتبہ بمبئی کے ایک تاجر عبدالکریم نے قائداعظمؒ کو ایک مقدمے میں وکیل مقرر کرنا چاہا۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ میری فیس پانچ صد روپے روزانہ ہے۔ عبدالکریم نے کہا کہ میں اتنی بھاری فیس ادا کرنے کا متحمل نہیں۔ کچھ اور کم کریں۔ قائداعظمؒ نے انکار کر دیا۔ عبدالکریم نے قائداعظمؒ کے سامنے پانچ ہزار روپے کی رقم رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے آپ کی پانچ صد روپے روزانہ کی فیس منظور ہے۔ لیکن سردست میرے پاس یہی رقم ہے۔ آپ مقدمے کی پیروی شروع کر دیں۔ باقی رقم میں مقدمہ کی پیروی کے دوران یا اختتام پر ادا کر دوں گا۔ قائداعظمؒ نے تین دن میں مقدمہ کی پیروی کر کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ جیت لیا اور عبدالکریم سے صرف تین دن کی فیس پچیدرہ سو روپے وصول کر کے باقی رقم اسے واپس لوٹا دی۔

قائداعظمؒ کے پاس ایک موکل آیا جس کا مقدمہ بہت لمبا چوڑا تھا اور اس کی فیس بھی بہت بنتی تھی۔ موکل نے کہا کہ اس کے پاس دس ہزار روپے نہیں۔ اس لئے قائداعظمؒ نے مقدمہ لینے سے انکار کر دیا۔ پھر بھی موکل نے ان کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ کاغذات کی حد تک ہی معائنہ کریں اور باقی چھوڑ دیں۔ جب قائداعظمؒ نے کاغذات کو دیکھنا شروع کیا تو مقدمہ بہت ہی دلچسپ نکلا اور انہوں نے ساری مسل پڑھ ڈالی۔ اور موکل کو مناسب مشورہ دے دیا۔ سب یہ خیال کرتے تھے کہ انہوں نے اس پر غیر معمولی نوازش کی ہے۔ لیکن قائداعظمؒ کے حساب کے مطابق فیس ساڑھے تین ہزار بنتی تھی۔ اس لئے انہوں نے باقی رقم موکل کو واپس کر دی۔"

(مضمون: یک مرد خود آگا ہے۔ از مطلوب الحسن سید اقرا قائداعظمؒ نمبر جون ۱۹۷۶ء)

(ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا قائداعظمؒ مرتبہ زاہد حسین انجم صفحہ نمبر ۳۱۶)

گاندھی جناح خط و کتابت کے سلسلے میں انسائیکلوپیڈیا قائداعظمؒ میں لکھا گیا ہے۔ "ہندو مسلم مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے قائداعظمؒ محمد علی جناح نے مسٹر گاندھی سے مذاکرات کئے۔ ان کے تین اہم خط یہ ہیں۔

۱۰ر ستمبر ۱۹۴۴ء

محترم جناب گاندھی

ہماری کل ۹ر ستمبر کی گفتگو کے حوالے سے معلوم ہوا ہے کہ آپ اپنی انفرادی حیثیت میں مجھ سے ہندو مسلم سمجھوتہ پر بات چیت کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اور یہ کہ آپ نہ تو کانگریس یا ہندوؤں کے ایما پر آئے ہیں نہ ہی آپ کو کوئی نمائندہ حیثیت یا اختیار ہے۔ حتیٰ کہ آپ ایسا کرنے کے مجاز بھی نہیں۔ قدرتی طور پر میں نے آپ سے کہا تھا کہ فریق ثانی کی طرف سے کوئی نمائندہ حیثیت کا حامل شخص ہونا چاہئے جس کے ساتھ میں بات چیت کر سکوں۔ اور اگر ممکن ہو تو ہندو مسلم مسئلہ پر کوئی سمجھوتہ بھی طے کر لوں۔ لیکن جو حیثیت آپ نے اختیار کی ہے اس کی پہلے کوئی مثال بھی نہیں اور پھر یہ کہ اس سے میرے راستے میں بے شمار مشکلات حائل ہو جائیں گی۔

آپ جانتے ہیں کہ میں تو مسلم ہند کے ایماء پر صرف آل انڈیا مسلم لیگ تنظیم کے صدر کی حیثیت سے ہی بات کر سکتا ہوں۔ اور اسی کا میں نمائندہ ہوں اور پھر یہ بھی کہ مجھے اس تنظیم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ئین اور قواعد و ضوابط کے تحت بھی بات کرنا ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو احساس ہے اور آپ تسلیم بھی کریں گے کہ ہندو مسلم مسئلہ پر سمجھوتہ ہی سب سے بڑی اور اہم رکاوٹ ہے۔ اور جب تک ان دونوں قوموں کے نمائندے سر جوڑ کر نہیں بیٹھتے کوئی ایک نمائندہ بھی کیا پیش رفت کر سکتا ہے۔

پھر بھی میں نے آپ کے سامنے مارچ ۱۹۴۰ء کی قرار داد لاہور کی وضاحت کر دی اور آپ کو ترغیب دلانے کی کوشش کی کہ آپ اس کے اہم اور بنیادی احوال کو تسلیم کر لیں۔ لیکن آپ نے نہ صرف اس پر غور و خوض کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا۔ بلکہ آپ نے قرار داد کی بنیاد کی ہی سرے سے پرزور مخالفت کی اور کہا۔ کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک سمندر حائل ہے۔ میرے دریافت کرنے پر کہ پھر اس کا متبادل کیا ہے۔ آپ کی تجویز تھی کہ آپ اپنا منظور شدہ مسٹر راجہ گوپال اچاریہ کا فارمولا پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس پر بحث و تمحیص کی لیکن چونکہ اس کے مختلف پہلو مبہم اور غیر واضح تھے اور کچھ کی وضاحت بھی درکار تھی۔ لہٰذا میں نے چاہا کہ اس کا تصور آپ پر واضح کر دوں اور اس کا حقیقی مفہوم سمجھنے کی کوشش کروں اور دیکھوں کہ اس میں کیا کیا الجھنیں ہیں لہٰذا اسی لئے میں آپ کو فارمولا میں درج تجاویز کی تشریح اور وضاحت کی تکلیف دے رہا ہوں۔

تھوڑی دیر بحث کے بعد آپ نے درخواست کی تھی کہ میں جن نکات کی تشریح اور وضاحت چاہتا ہوں ان کو ضبط تحریر میں لا کر آپ کو ارسال کروں اور یہ کہ آپ پیر ۱۱ ستمبر شام ساڑھے پانچ بجے ہماری دوسری ملاقات سے قبل ان کا تحریری جواب دے دیں گے۔ لہٰذا وہ نکات آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں۔

۱ = تمہید کے متعلق ہی آپ یہ فرمایئے کہ اگر میرے آپ کے درمیان کوئی سمجھوتہ طے پائے تو آپ اپنی کس حیثیت میں اس کی منظوری دینے والے فریق ہوں گے۔

۲ = شق ۱۔ جہاں تک آزاد ہندوستان کے آئین کا تعلق ہے جو اس شق میں مذکور ہے تو اولاً آپ بھی فرمایئے کہ آپ کس آئین کا حوالہ دے رہے ہیں۔ اس کی تشکیل کون کرے گا۔ اور یہ کب معرض وجود میں آئے گا۔ اس کے بعد فارمولے میں کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ آزادی کے ہندوستانی مطالبے کی تائید کرتی ہے کہ اس سے مراد بمبئی میں ۱۹۴۲ء کی آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اگست کی قرار داد میں شامل کانگریس کا مطالبہ آزادی ہے؟ اور اگر وہ نہیں تو اس شرط کی کیا اہمیت ہے۔ کیونکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلم لیگ نے تو نہ صرف اپنی قرار دادوں میں بلکہ اپنے بنیادی سیاسی مسلک میں بھی جو اس کے آئین میں درج ہے۔ یہ بات اچھی طرح واضح کی ہوئی تو ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم تمام برصغیر کی آزادی اور خود مختاری چاہتے ہیں اور یہ بات پاکستان اور ہندوستان پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

پھر یہ کہا گیا ہے کہ مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ عبوری دور کے لئے عارضی ہنگامی حکومت کی تشکیل میں تعاون کرے گی۔ وہ بنیادیں اور خطوط کیا ہوں گے جن پر ایسی حکومت قائم یا تشکیل کی جائے گی۔ اگر آپ کے پاس کوئی مکمل اور واضح سکیم ہو تو ازرہ مہربانی مجھے ارسال فرمایئے۔

۳ = شق ۲۔ اس شق میں مذکورہ متن کون مقرر کرے گا اور اس کی سفارشات پر عمل در آمد کون کرائے گا۔ نیز اس میں مذکورہ حتمی اکثریت سے کیا مراد ہے۔ کیا مجوزہ رائے شماری ضلعی سطحوں پر کرائی جائے گی اور اگر نہیں تو یہ اور کس بنیاد پر ہو گی؟ اس بات کا فیصلہ اور تعین کون کرے گا کہ یہ رائے شماری بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہو گی۔ یا کسی دیگر قابل عمل رائے دہندگی کی بنیاد پر؟ مذکورہ بالا رائے شماری کے فیصلے یا نتیجے پر عمل در آمد کون کرائے گا؟ کیا صرف سرکاری اضلاع کو ہی جنہیں موجودہ صوبہ بندی کے وقت حالیہ صوبوں سے الگ رکھا گیا ہے کسی ایک ریاست میں شامل ہونے کا حق ہو گا یا ان کو بھی جو موجودہ حدوں سے باہر ہیں حق حاصل ہو گا کہ وہ جس ریاست کے ساتھ چاہیں الحاق کریں۔

۴ = شق ۳۔ اس شق میں تمام فریقین سے کون مراد ہیں۔

۵ = شق ۴۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس شق میں جن باہمی معاہدوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ کن مشینری یا ایجنسی کے توسط سے کئے جائیں گے۔ دفاع، کامرس، اطلاعات کے تحفظ، نیز دیگر بنیادی امور سے کیا مراد ہے اور یہ تحفظ کس مخالف سے ہو گا۔

۶ = شق ۵۔ ان شرائط کی پابندی اسی صورت میں لازمی ہو گی اگر برطانیہ حکومت ہند کے تمام اختیارات اور ذمہ داریاں منتقل کرے میں یہ بھی جاننا چاہتا ہوں کہ اقتدار کب، کسے اور کس مشینری یا ایجنسی کے توسط سے منتقل کیا جائے گا؟

اسی لمحہ تو مجھے بھی اہم نکات سوجھے ہیں۔ جن کی تشریح اور وضاحت درکار ہے امید ہے کہ آپ ان مختلف نکات کے بارے میں جن کا میں نے ترتیب وار ذکر کیا ہے، تفصیلات سے آگاہ کریں گے تاکہ آپ کی تجاویز کے بارے میں اطمینان سے کسی نتیجے پر پہنچنے سے قبل انہیں بہتر طور پر سمجھنے اور جانچنے کے قابل ہو سکوں۔

آپ کا مخلص

ایم۔ اے جناح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم قومیت کے علیحدہ تشخص کے لئے قائداعظمؒ نے گاندھی کو جو خطوط لکھے ان میں سے چند کا متن یہ ہے۔

۱۷ر ستمبر ۱۹۴۴ء

ہم علیحدگی اور حق خودارادیت کا حق بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے طلب کرتے ہیں۔ نہ کہ ایک علاقائی آبادی کے اور ہم بحیثیت مسلم قوم کے یہ پیدائشی اور ناقابلِ تنسیخ حق رکھتے ہیں۔ کہ اپنی علیحدہ آزادانہ اور خود مختار مملکت قائم کریں۔ پاکستان کا قیام کسی موجود یونین سے علیحدگی نہیں جب ہم حق خود ارادیت کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ مسلم قوم کا حق خود اختیاری ہے۔

۲۱ر ستمبر ۱۹۴۴ء

میں یہ امر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہوں کہ مسلمانان ہند اس ملک کے دوسرے لوگوں سے علیحدہ یا ممیّز ہیں۔ صرف کہہ دینے سے کوئی بات ثابت نہیں ہو جاتی۔ میں علیحدہ قوم کی حیثیت سے نہیں البتہ دو بھائیوں کی حیثیت سے تقسیم ہند کے مطالبہ پر غور کر سکتا ہوں۔"

(انسائیکلوپیڈیا قائداعظم: مرتبہ۔ زاہد حسین انجم، صفحہ نمبر ۶۰۶ - ۶۰۷)

ان خطوط کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت قائداعظمؒ نے مسلمانانِ ہند کے بنیادی سیاسی نظریات و مقاصد کو باور کرانے کے لئے کتنا زور لگایا، انہوں نے چومکھی جنگ لڑ کر یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں کو خدا تعالیٰ نے بے پناہ صلاحیتوں اور قوتوں سے ہمکنار کیا ہے۔ قائداعظمؒ ان خطوط سے جو مسٹر گاندھی کے نام لکھے جاتے رہے، ایک مکمل تحریک پاکستان کی تاریخی دستاویزات کی حیثیت رکھتے ہیں مگر کمال ہے مسٹر گاندھی کا، جنہوں نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ حضرت قائداعظمؒ کے ہر استدلال اور ہر منطق کو اپنی "مہاتمائیت" کی نذر کر دیا۔

- گاندھی جی کے بارے میں لکھا گیا ہے۔

"۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو قائداعظمؒ نے گاندھی کے قتل پر یہ بیان دیا کہ گاندھی جی کا قتل بھارت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ وہ ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام موہن داس کرم چند تھا۔ انہوں نے لندن میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۸۹ء میں بر سٹری کا امتحان پاس کر کے افریقہ چلے گئے اور وہاں سات سال (۱۸۹۳ء - ۱۹۰۰) تک وکالت کے پیشے سے منسلک رہے۔ ۱۹۰۵ء میں انہوں نے مغربی لباس ترک کر دیا اور کھدر کا سادہ تہمد، کرتا اور پگڑی پہننا شروع کر دی پھر لنگوٹ پر آ گئے۔ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان چلے گئے۔ اور برصغیر کی آزادی کے لئے سرگرم عمل ہو گئے ۱۹۱۹ء میں انہوں نے سبیتہ گرہ تحریک کا آغاز کیا مختلف موقعوں پر ملکی قوانین کی خلاف ورزی پر قید ہوئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو مرتبہ اکیس اکیس روز کا برت بھی رکھا۔ ۱۹۳۱ء میں ہندوستان کی گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک کا آغاز کیا۔ آزادی ہند کے بعد ہندوستانیوں کی فلاح و بہبود میں مصروف ہو گئے۔

۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو انہیں گاڈسے نامی ایک مرہٹہ ہندو نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ اپنے خیالات کے اظہار کے لئے کئی کتابیں لکھیں اپنی سوانح بھی لکھی۔

گاندھی قائداعظمؒ کی نظر میں

گاندھی کا مقام اپنی قوم کے نزدیک جس قدر اہمیت کا حامل تھا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حتیٰ کہ وہ انہیں اپنا اوتار مانتے تھے۔ لیکن قائداعظم کی نظر میں گاندھی کوئی قابل قدر شخصیت نہ تھی۔ مثلاً قائداعظمؒ نے ایک مرتبہ گاندھی کے بارے میں فرمایا۔

"ہمیں جس حریف سے پالا پڑا ہے وہ گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلتا رہتا ہے۔ جب ان کا مفید مطلب نہیں ہوتا وہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ کسی کے نمائندے نہیں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو سارے ہندوستان کے واحد نمائندہ بن جاتے ہیں۔ ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ زبان پر لاتے ہیں جب اور حربوں سے کام نہیں چلتا تو مرت برت رکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ایسے شخص سے ہم کس طرح بات کر سکتے ہیں۔ وہ تو ایک چیستانی کا معمہ ہے۔۔۔"

(انسائیکلوپیڈیا قائداعظمؒ۔۔۔ مرتبہ: زاہد حسین انجم، صفحہ نمبر ۶۰۸۔۔۔۶۰۷)

"ہندوؤں کے بے شمار مذہبی فرقے ہیں۔ شوا، وشنو کے پجاری، کبیر پنتھی، رادھا سوامی درگا کے پجاری، سمت نامی برہمو سماج، آریہ سماج، فطرت کے پجاری، ہندوؤں میں بے شمار ذاتیں اور گوتیں بھی ہیں۔ ان میں ایک ذات دوسری ذات سے شادی نہیں کرتی۔ بلکہ بعض تو دوسری ذات کے ہاتھ کا چھوا ہوا بھی نہیں کھاتے۔ مگر آج کل کے ہندوؤں میں مذہبی جوش تو مر گیا ہے۔ مگر وہ اپنے سب دیوتاؤں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ ان کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتا۔ ہاں سوسائٹی کے لحاظ سے جو فرقے مثلاً اگرہ سماج وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا اس و زیادہ خیال ہے۔ اس کا مذہب سیاسی اور سماجی رہ گیا ہے، روحانی نہیں۔"

(آزاد قوم کی تعمیر، پاکستان، مصنفہ ڈاکٹر محمد شجاع ناموس صفحہ نمبر ۴۹)

مہاتما گاندھی اس ہندو ازم کے نمائندے اور علمبردار ہیں جس میں آج تک وہ انسانی حقائق اور تاریخ انسانی کے خوشگوار پہلوؤں کو اجاگر کر سکے۔ جس میں انسان کو انسان کی حد تک پہچانا جاتا ہو۔ مہاتما گاندھی شاید اس تاریخی فلسفے کو سمجھنے سے قاصر تھے کہ ہندوستان تو تاریخ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی دور یا کسی موڑ پر بھی ایک متحدہ ہندوستان کبھی نہ رہا۔۔۔ چنانچہ آر ستھیانے تھیئر نے لکھا ہے۔ اور پھر حیرت ہے کہ یہ کتاب جو انہوں نے تحریر کی، وہ جنوبی ہندوستان کے کالجوں کے نصاب میں شامل رہی۔ جس کا ذکر ذیل میں آئے گا)

"ہندوستان کی شہنشاہیاں اس طرز کی رہی ہیں، جن میں ایک فرماں روا حاکم اعلیٰ ہوتا ہے اور بحیثیت مجموعی ہندوستان کی وحدت دورِ جدید سے قبل نہ تو سیاسی تھی اور نہ انتظامی۔ ذات گوت کا نظام سماجی وحدت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ نسلی اور انسانی اختلاف سے، اگرچہ ان کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کیا جاتا ہے۔ مگر ہیں وہ حقیقت، مذاہب کا وہ جنگل جس کا نام "ہندومت" رکھا ہوا ہے۔ کسی بڑی حد تک، ایک مرکز پر کھینچ کر لانے والی قوت کا کام نہیں دیتی۔۔۔"

(A Political and Cultural History of India by R.Santhiasnathier.P-11)

ڈاکٹر محمد شجاع ناموس مزید تحریر کرتے ہیں۔ "گاندھی جی کانگریس کے گرو دیو ہیں۔ ہر فرقہ وارانہ مجلس مشاورت میں کہتے تو وہ یوں ہیں کہ میں کانگریس کا نمائندہ بن کر نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اپنی شخصی حیثیت میں آیا ہوں۔ البتہ کانگریس کو مشورہ دوں گا۔ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میرے مشورے کو مانے یا نہ مانے۔ یہ کس قدر سیاسی فریب ہے۔ ایک جماعت کی طرف سے بحث میں حصہ لینے کے لئے جانا اور اس کا نمائندہ ہونے سے انکار کرنا۔ دوسرے کے قول کو مقیّد کرنا اور خود آزاد رہنا۔ تاہم کانگریس کا پتہ پتہ اور ذرہ ذرہ گرو دیو کے اشارے سے ہلتا ہے۔ کانگریس کی پالیسی ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق دریافت کرنی ہو تو گرو دیو کی پالیسی معلوم کرنی چاہئے۔ میں اگر اپنی زبان سے کچھ کہوں تو امکان ہے سوئے ادب سمجھا۔ اس لئے مہاتما جی کے الفاظ میں ان کی پالیسی ملاحظہ کیجئے۔

- "ہریجن" مہاتما گاندھی کا پرچہ ہے جو انگریزی میں چھپتا ہے۔ اس میں مہاتما جی نے اردو ہندی اور ہندوستان کی قومی زبان کے متعلق وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جو مضامین جولائی ۱۹۲۷ء اور جولائی ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں چھپے ان کو ایک کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ اس کا نام ہے۔

'Our Language Problem.'

By: Mahatma Gandhi

اس کتاب میں سے چند اقتباس پیش کئے جاتے ہیں۔ ربط قائم رکھنے کے لئے میں نے بیچ میں کچھ الفاظ شامل کر دیئے ہیں۔ گاندھی جی کہتے ہیں۔ (یہ ترجمہ ہے) "جب سے میں نے پبلک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لائف میں قدم رکھا ہے (صفحہ ۲۷) میرا یہی عقیدہ رہا ہے اور میں نے اسی کا ہمیشہ اعلان کیا ہے کہ میری پختہ رائے میں انگریزی نہ تو کل ہند زبان بن سکتی ہے۔ اور نہ ہونی چاہئے۔ کل ہندوستان زبان صرف ہندی (یعنی ہندوستانی) ہو سکتی ہے۔ وہ ہی زبان جس کو شمالی ہندوستان کے ہندو مسلمان لاکھوں انسان بولتے ہیں۔" یہ تو ابتدائی انتخابات کی بات ہے۔ چونکہ اس وقت یہی زبان کل ہند زبان بننے کی اہلیت رکھتی ہے یہی اردو زبان ہے جو دہلی لکھنؤ میں مروج ہے) فی الحال ہم اس کو دیوناگری اور فارسی دونوں طرح کے رسم الخط میں لکھا کریں گے۔ مگر آپ کہتے ہیں کہ ایک زبان کے لئے دو رسم الخط کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ تو اپنے کہے کو خود ہی بالکل باطل کرتا ہے۔ "میں جانتا ہوں (صفحہ ۲۸) کہ میں متناقض بات پیش کر رہا ہوں۔ جب میں ایک ہی زبان کے لئے دیوناگری اور اردو رسم الخط کو روا رکھتا ہوں۔ مگر میرا یہ تناقض بالکل احمقانہ نہیں ہے۔ موجودہ زمانے میں ہندو مسلمانوں میں بے اتفاقی ہے۔ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمانوں کے لئے عقلمندی اسی میں ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام کریں اور جس حد تک ممکن ہو سکے بردباری اور رواداری سے کام لیں۔ اس لئے دیوناگری یا اردو کسی رسم الخط کے انتخاب کا اختیار ہے۔" مگر ہندو جاتی کے دھرماتما جو اس وقت چراغ پا ہو رہے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ کتنا بھی انسان رواداری سے کام لے۔ "لیکن (صفحہ ۱۵) جب قوم میں وسعت پیدا ہو گی۔ تو لازمی ہے کہ ہندو جو صرف سنسکرت جانتے ہیں۔ وہ سنسکرت کے الفاظ کا خاص طریقے سے استعمال کریں گے۔ اگرچہ دونوں ایک ہی زبان لکھیں اور مخصوص رغبت یا نفرت نہ بھی رکھتے ہوں۔ تو بھی یہی ہو گا۔۔۔" ظاہر ہے کہ ہندو دیوناگری رسم الخط سیکھیں گے۔ اور سنسکرت کے الفاظ زیادہ استعمال کریں گے۔ بھارت دیش میں ان کی تعداد بھی مسلمانوں کی نسبت بہت زیادہ ہے (مسلمان ہیں ۲۵ فیصدی) "آخر کار (صفحہ نمبر ۵۹) اس میں سے جو رسم الخط لوگ زیادہ پسند کریں گے۔ وہی زیادہ وقعت حاصل کرے گا۔" اس کا نتیجہ ظاہر ہے "زبان کی جو شکل بھی (صفحہ نمبر ۵۹) عوام میں ہر دلعزیز ہو گی۔ اور جس کو وہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں گے۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان وہی کل ہند زبان بنے گی۔" جب ہندوؤں کی تعداد ہندوستان میں زیادہ ہے۔ تو میجارٹی کے حکم کے مطابق یہ ہندوؤں کی زبان ہو گی۔ جو کل ہند زبان بنے گی۔ اور وہ سنسکرت سے معمور ہندی ہو گی۔ یہ زبان ہندوستان کے تمام رہنے والوں کو سیکھنی پڑے گی۔۔۔

اس سیاسی پروگرام کے پیش نظر میں نے (یعنی گاندھی جی) بھی کام شروع کر دیا ہے۔ اور دیوناگری رسم الخط کو فروغ دینے کی تدابیر اختیار کی ہیں۔" بلاشبہ (صفحہ نمبر ۱۶) ایک دیوناگری تحریک موجود ہے اور میں بدل و جان اس کا حلیف بن گیا ہوں۔ غرض یہ ہے کہ دیوناگری کو ان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سب زبانوں کا جو مختلف صوبوں میں بولی جاتی ہیں۔ مشترکہ رسم الخط بنا دیا جائے۔ خاص طور پر ان صوبوں میں جہاں ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سنسکرت الفاظ کی تعداد زیادہ ہے۔" اب سب باتوں کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ "آخر کار (صفحہ نمبر ۶) جب ہمارے دل ایک ہو جائیں گے۔ اور ہم سب اپنے اپنے صوبوں پر نہیں بلکہ اس بات پر فخر کریں گے جب ہم یہ سمجھ لیں گے کہ تمام مذاہب ایک منبع سے نکلے ہیں۔ اور ان کی پیروی اسی خیال سے کریں گے۔ جس طرح سے کہ ہم ایک درخت کے مختلف پھلوں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ تو ہم ایک مشترکہ زبان تک پہنچ جائیں گے۔ جس کا رسم الخط تمام ہندوستان میں ایک ہو گا۔ ہاں مگر ہم صوبجاتی زبانوں کو صوبائی استعمال کے لئے قائم رکھیں گے۔" اس وقت تو مسلمان کے دل میں مذہبی جوش اور قوت کا گھمنڈ ہے۔ جب وہ ہندو میجارٹی کے راج میں کچھ عرصہ تک پس کر مہین ہو جائے گا۔ اس کے خیالات ہندو تہذیب میں رنگے جائیں گے۔ تو وہ خود بخود ہمارا ہم خیال ہو جائے گا۔ اس وقت رومن رسم الخط بھی میدان میں دعوے دار ہے۔ مگر "رومن رسم الخط ہندوستان کا مشترکہ رسم الخط نہ تو بن سکتا ہے (صفحہ نمبر ۳۶) اور نہ ہونا چاہئے۔ مقابلہ تو صرف فارسی اور دیوناگری خطوں کے درمیان ہے۔ اس بات کو بھی ہم بحث میں نہیں لاتے کہ اس میں کتنی ذاتی خوبیاں موجود ہیں۔ لیکن دیوناگری تمام ہندوستان کا مشترکہ رسم الخط اس لئے ہونا چاہئے کہ صوبجاتی رسم الخطوں سے بیشتر کا ماخذ دیوناگری ہے۔ اس کے علاوہ سیکھنے میں بہ نسبت میں بہت ہی آسان ہے۔" اب میرے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے معاملہ آپ کے سامنے ہے۔" ــــــــ

(آزاد قوم کی تعمیر اور پاکستان۔ مصنفہ ڈاکٹر محمد شجاع ناموس صفحہ نمبر ۸۲ - ۸۰)

یہ مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ اسلامیان ہند کے خلاف ہندو نے ہر مرحلے ہر موڑ اور ہر انداز سے اپنی کم ظرفی، تنگ دلی، معاندانہ رویئے اور زہریلے پراپیگنڈے کا اظہار سختی سے جاری رکھا۔ بڑے بڑے جید سیاست دان اور زعمائے کرام پہلے کانگریس ہی کے ممبر رہے۔ لیکن ہندو کے روایتی تعصب اور گھٹیا روشوں کے باعث کانگریس سے علیحدگی اختیار کرتے چلے گئے لہٰذا گاندھی سے مسلمانوں کے حق میں بہتر سلوک کرنے کی کیا توقع کی جا سکتی تھی۔ انہوں نے جس طرح بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ہندی کو پورے ہندوستان کی زبان قرار دیا اور تمام طبقوں سے اسے تسلیم کرانے کی ان تھک کوشش کی وہ ساری کیفیات پہلے کے صفحات میں درج کی جا چکی ہیں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ جو ہندو کی اجتماعی نفسیات کے ماہر انسان تھے۔ ان کی سیاسی جمناسٹک کو بڑی اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے مسلمانان ہند کو کسی بھی محاذ پر شکست و ریخت سے ہمکنار نہ ہونے دیا۔ چنانچہ انہوں نے اردو کو ہندی کے مقابلے میں بڑے جوش و خروش سے پاکستان کی سرکاری زبان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہونے کا اعلان فرمایا۔

ڈاکٹر عبدالحق فرماتے ہیں۔ "مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں جو دہلی میں ہو رہا تھا۔ سر فیروز خان نون نے اپنی تقریر انگریزی زبان میں شروع کی، تو ہر طرف سے شور و غل ہوا۔ "اردو، اردو" اس سے مجبور ہو کر انہوں نے کچھ جملے اردو میں ارشاد فرمائے اور اس کے بعد پھر اپنی محبوب زبان انگریزی بولنے لگے اس پر پھر "اردو، اردو" کا شور و غل ہوا۔ تب جا کر آپ نے جل کر فرمایا کہ مسٹر جناح بھی تو انگریزی میں تقریر کرتے ہیں۔ یہ سن کر قائداعظمؒ اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے اور صریح و صاف الفاظ میں فرمایا کہ "سر فراز خان نون نے میرے پیچھے پناہ لی ہے۔ لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی زبان اردو ہو گی۔"

(نقوش قائداعظمؒ ـــ مرتبہ پروفیسر رحیم بخش شاہین صفحہ نمبر ۱۱)

ایک اور جگہ پر اردو کے ضمن میں ڈاکٹر عبدالحق فرماتے ہیں۔ "عربک کالج کے طلبہ نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس وقت کے معاملات پر تقریر فرمائیں۔ انہوں نے منظور فرمایا۔ تقریر سے قبل شب کے کھانے کی بھی دعوت دی۔ جس میں چند اور صاحبوں کو بھی مدعو کیا۔ ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ کھانے کے بعد مجھ سے فرمانے لگے "آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے میں نے اردو میں کب اور کہاں تقریر کی۔" میں نے لاعلمی ظاہر کی تو فرمایا "کئی سال ہوئے بنگال کے مقام پر گیا (مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ غالباً یہ جملہ انتخابات کے سلسلے میں تھا) تو دیکھا کہ کئی ہزار آدمی جمع ہیں۔ اس قدر مجمع کی توقع نہ تھی۔ میں نے سر عزیز الحق سے جو اس وقت میرے ہمراہ تھے۔ پوچھا کہ اس مجمع میں کتنے لوگ انگریزی سمجھتے ہوں گے؟ انہوں نے کہا کم و بیش پانچ سو۔ تب میں نے کہا اردو جاننے والے کتنے ہوں گے! انہوں نے کہا تقریباً ڈیڑھ ہزار۔ اس کے بعد سر عزیز الحق نے کہا آپ انگریزی میں تقریر فرمائیے۔ میں اس کا ترجمہ بنگالی میں سنا دوں گا۔ لیکن میں نے ان کا مشورہ نہ مانا اور اردو میں تقریر کی۔ یہ میری پہلی اردو تقریر تھی" ـــ

اس کے بعد قائداعظمؒ ہنس کر فرمانے لگے۔ (My Urdu is Tongawala Urdu.) (میری اردو ٹانگے والے کی اردو ہے)

سراج نظامی (مرحوم) اپنے مضمون میں تحریر کرتے ہیں۔ "۱۹۰۶ء میں آپ کانگریس کے اجلاس کلکتہ میں شریک ہوئے۔ اس کے صدر دادا بھائی نوروجی تھے۔ آپ ان دنوں ان کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ اس اجلاس میں آپ نے پہلی تقریر فرمائی۔ حسن اتفاق سے یہ تقریر مسلمانوں کے قانون وقف الاولاد کے متعلق تھی۔ سامعین آپ کی تقریر سے متاثر ہوئے اور انہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پتہ چلا کہ برصغیر کے آسمانِ سیاست پر ایک نیا ستارہ چمکا ہے۔ اسی سال مسلمانوں نے بھی اپنی سیاسی بیداری کا ثبوت دیا۔ اور مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔

۱۹۱۰ء میں آپ برطانوی ہند کی امپیریل کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ اس وقت تک آپ مسلم لیگ سے ہمدردی رکھنے کے باوجود اس سے الگ رہے۔ آپ کانگریس کے سرگرم رکن اور حامی تھے۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا محمد علی جوہر اور سید وزیر حسن نے آپ کو مسلم لیگ میں شمولیت پر آمادہ کر لیا۔ آپ اس میں شامل تو ہو گئے۔ لیکن دلی رجحان کانگریس کی طرف رہا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے کانگریس اور مسلم لیگ کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی مخلصانہ کوشش کی۔ جس کا نتیجہ میثاق لکھنؤ کی صورت میں نمودار ہوا۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے اور آپ کو اس اتحاد کا علمبردار سمجھا جاتا تھا۔ کانگریس نے ان کی خدمات کے پیش نظر بمبئی میں ایک ہال تعمیر کیا۔

جب پہلی جنگ عظیم ختم ہوئی تو برطانوی حکومت اپنے دعوؤں سے منحرف ہو گئی اس نے رولٹ ایکٹ جیسا متشددانہ قانون نافذ کر کے آزادی تحریر و تقریر اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی سارے برصغیر میں ان کے خلاف تحریک شروع ہو گئی۔ ہر بڑے شہر میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ کئی بندگان خدا انگریزی گولیوں کا نشانہ بنے۔ اسی زمانے میں مسٹر گاندھی جنوبی افریقہ میں سینہ گرہ کی کامیاب تحریک چلا کر برصغیر آئے اور رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک کے کرتا دھرتا بن گئے۔ ہندوؤں نے انہیں مہاتما کا لقب دیا۔ اکثر ہندو مسلم لیڈر تحریک ترکِ موالات میں شریک ہو گئے۔ لیکن قائداعظمؒ اس سے الگ تھلگ رہے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی خداداد قابلیت سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ تحریک آخر کار ناکام ہو کر رہے گی۔ آپ نے اس کی مخالفت کی۔ لیکن آپ کی شنوائی نہ ہوئی اور ۱۹۲۰ء میں کانگریس سے الگ ہو گئے۔ آپ کیوں الگ ہوئے اس کے متعلق آپ نے فروری ۱۹۲۱ء میں فرمایا۔

"میرے بہت سے دوستوں اور رفیقوں نے پوچھا ہے کہ میں سیاسیات کے اس نازک ترین دور میں خاموش کیوں ہوں۔" بلاشبہ موجودہ صورت حال دشواریوں اور خطروں سے لبریز ہے۔ ایک طرف حکومت کا وہ سفاکانہ طرز عمل ہے۔ جس نے قومی وقار کو مجروح کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ مسٹر گاندھی نے جن کی میں عزت کرتا ہوں۔ جو پروگرام اختیار کیا ہے وہ قوم کو غلط راستے پر لئے جا رہا ہے۔"

آپ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور مسٹر گاندھی کی یہ تحریک بری طرح ناکام ہو گئی۔ سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو پہنچا۔ جب ہندوؤں کی طرف سے شدھی اور سنگھٹن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ہندی زبان کی تحریکیں چلائی گئیں تو ہر بڑے شہر میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہندوؤں کے دلی ارادے واضح طور پر عیاں ہونے لگے۔ قائداعظمؒ ناامید ہو کر ۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۶ء تک خاموشی سے سیاسی حالات کا جائزہ لیتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں آپ لندن کی دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن مسٹر گاندھی نے اس میں شرکت نہ کی۔ البتہ تیسری گول میز کانفرنس میں انہوں نے شرکت کی۔ لندن میں انتہائی کوشش ہوئی کہ ہندو مسلم مسئلہ کا کوئی قابل قبول حل نکل آئے لیکن ہندوؤں کی ہٹ دھرمی نے اسے ناکام بنا دیا۔

اسی گول میز کانفرنس کے مسلم مندوبین میں حضرت علامہ اقبالؒ بھی شامل تھے۔ جنہوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس الٰہ آباد میں اپنے تاریخی خطبے میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کے قیام کی نشاندہی کی تھی۔ آپ سے قائداعظمؒ نے کئی ملاقاتیں کیں اور ان کے سامنے اپنے نقطہ نظر کی مزید وضاحت کی۔ لیکن ان دنوں قائداعظمؒ برصغیر کی سیاسیات سے اتنے بیزار ہو چکے تھے کہ آپ نے واپس آنے کی بجائے انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کر کے وہیں پریکٹس کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ آپ پریوی کونسل میں پریکٹس کرنے لگے۔ بات یہ تھی کہ آپ نے سالہا سال سے دل سے یہ کوشش کی تھی کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے اور ان کے باہمی مسائل باعزت طریق سے حل ہو جائیں لیکن ہندو کی سیاست نے ان کی کوئی پیش نہ چلنے دی۔ اس کے متعلق انہوں نے فرمایا۔

"مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں نہ تو ہندوستان کی کوئی مدد کر سکتا ہوں اور نہ ہی ہندو کی ذہنیت بدل سکتا ہوں اور نہ مسلمانوں کو ان کی نازک حالت کا یقین دلا سکتا ہوں۔ یہ احساس بیچارگی اس قدر بڑھا کہ میں لندن میں اقامت گزین ہو کر رہ گیا۔" ــــــ

(نقوش قائداعظمؒ ــــــ مضمون قائداعظمؒ تحریر سراج نظامی درم صفحہ نمبر ۵)

حضرت قائداعظمؒ نے برطانوی قانون کی کبھی اپنے سیاسی مطلب اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے خلاف ورزی نہ کی تھی۔ بحیثیت وکیل انہوں نے قانون کی ہمیشہ پاسداری کی۔ اور اسلامیان ہند کو ہر موقع پر غیر قانونی اور غیر آئینی اقدام سے سختی سے منع فرماتے تھے۔ مگر ان کے برعکس گاندھی نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ غیر قانونی اور غیر آئینی اقدامات سے سیاست کی دوکان چمکائی جائے۔ اور جیل کی سیر کی جائے۔ گاندھی کئی مرتبہ جیل گئے۔ اور جیل کی سزا بھگتنے کو اعلیٰ ترین سیاسی منصب تصور کرتے تھے۔ مگر حضرت قائداعظمؒ کی تمام سیاسی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمحہ بھر کے لئے بھی جیل نہ گئے اور نہ کسی غیر سیاسی فعل کا ارتکاب کیا۔

"مہاتما گاندھی اینڈ انڈیا زسٹرگل فار سوراج" کے مصنف تحریر کرتے ہیں۔

"گاندھی جی اور ان کے ساتھی ڈنڈی پہنچے۔ یہ ۱۵ر اپریل کی بات ہے۔ یہاں انہوں نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رات پرارتھنا کی اور کچھ نہ کھایا پیا۔ صبح ۶ بجے کے وقت پرارتھنا کے بعد گاندھی جی اپنے ۸۴ ساتھیوں سمیت سمندر میں نہانے کے لئے گئے۔ ان کے ہمراہ بہت سا جلوس افراد کا اور بھی ہولیا۔ چنانچہ مہاتما گاندھی آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اور پانی میں داخل ہو رہے تھے۔ لوگوں نے پرجوش نعرے لگائے اور "مہاتما جی کی جے" کے نعرے لگائے۔ ۳۰ - ۸ بجے انہوں نے سالٹ لاء کی خلاف ورزی کی۔ اور نمک اٹھایا۔ اس منظر کا بہت سے لوگوں نے نظارہ کیا۔ سالٹ لاء کی خلاف ورزی کے اس انداز سے انہوں نے ایک بیان جاری کیا، کہ جو کوئی بھی سالٹ لاء کی خلاف ورزی کر کے جہاں کہیں بھی چاہے اور جب چاہے نمک تیار کر سکتا ہے۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مہاتما گاندھی کے اس اقدام سے ہزاروں اس طرح کے غیر قانونی اقدامات کئے گئے۔ اور لوگ غیر قانونی نمک بیچنے اور تیار کرنے لگ پڑے۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بے شمار افراد گرفتار ہوئے۔ بلکہ یہاں تک کہ کانگریس کے بہت سے ممبران بھی شامل تھے۔ جنہوں نے ایسے مظاہروں کی حوصلہ افزائی کی تھی۔۔۔

مہاتما گاندھی اس ضمن میں حکومت کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا بھی کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے صوبہ گجرات کا دورہ کیا اور اچھوتوں کے خلاف ایک مہم بھی جاری رکھی۔ یہ بیان بھی دیتے رہے کہ "کھڈی اور چرخہ" کو مقبول کیا جائے۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ حکومت کے سالٹ ورکس کو برباد کر دیں گے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ حکومت نے مہاتما گاندھی پر پابندیاں لگا دیں۔۔۔ بالآخر مہاتما گاندھی کو ۴ مئی کو ان کے ایک کیمپ کراڈی میں ۱۸۲۷ء کے ریگولیشن ۲۵ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔"

(Mahatama Gandhi and Indias Struggle for Swaraj)

By:B.Sengupta and R.Chaudhri.P31-32

• گاندھی ایک طرف تو برطانوی حکومت اور وائسرائے کو اپنا دشمن تصوّر کرتے تھے تو دوسری طرف جب بھی ایسا موقع میسر آتا جس میں انہیں کوئی مطلب براری کا مسئلہ درپیش ہوتا تو انہیں اپنا محسن اور ہمدرد تصوّر کرتے۔۔۔ گاندھی کہتے ہیں۔

اگر یہ میری بنیادی پوزیشن تصور کی جائے، کہ آپ برطانوی وزراء اور برطانوی لوگ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہندوستان ترقی کرے۔ تو تمام حکومتی اختیارات مجھے تفویض کر دیئے جائیں۔ اور تمام فوج کو ہمارے ماتحت کر دیا جائے۔ یہ مجھے معلوم ہے کہ آرمی میرے احکام پر عمل پیرا نہیں ہو گی۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ برطانوی کمانڈر انچیف میرے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ نہ ہی سکھ اور ہی مغرور راجپوت دل سے میرے حکم کی تعمیل کریں گے۔ لیکن میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ یہ سب کچھ میں برطانوی عوام کی مرضی اور منشا سے کر سکتا ہوں۔ اور انہیں ان سپاہیوں کو سبق سکھانے کے لئے موجود رہنا چاہئے۔ تاکہ انہیں یہ احساس ہو کہ وہ اپنے ہی ملک کی خدمت کر رہے ہیں، اگر وہ اس طرح کرنا چاہیں۔ برطانوی افواج کو بھی یہ کہا جائے کہ انہیں ہندوستان میں برطانوی مفادات و مقاصد کی نگرانی ہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ ہندوستان کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کی سعی کرنی چاہئے جس طرح وہ اپنے ملک برطانیہ کی حفاظت کرتے ہیں مہاتما گاندھی نے کہا "یہ ہے میرا خواب" ـــــ "اور مجھے معلوم ہے کہ میرا خواب یہاں پورا نہیں ہو سکتا۔ یہی کچھ ہے جو میں محسوس کر رہا ہوں، میرے حواس میری گواہی دے رہے ہیں کہ میں یہ خواب پورا ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے کہ جو کانفرنس کی کارروائی ہو رہی ہے۔ میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس خواب کی تکمیل کی آرزو رکھوں اور یہ آرزو میری زندگی کے آخری لمحے تک رہے گی۔ میں برطانوی حکومت اور برطانوی عوام کو کس طرح باور کراؤں کہ جس طرح میں ایسی آرزو اور ارادہ رکھتا ہوں ایسا ہی ان کو بھی خیال کرنا ہو گا" ـــــ

Mahatma Gandhi and Indias Struggle for Swaraj By Sen gupta and R.Chaudhri.P163

مندرجہ بالا حوالوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مہاتمائیت کے علمبردار، مہاتما گاندھی کی سیاست کس قدر گلی لپٹی، دوغلی اور سہ چشمی تھی۔ ایک طرف تو انگریزوں کو باہر نکالنے کے دعوے دار تھے اور دوسری طرف انہی کو ہندوستان کے مفادات کا نگران بھی تصور کرتے تھے۔

مہاتما گاندھی نے گول میز کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے جن امور کی طرف ممبران کی توجہ منعطف کرائی ان میں قابلِ ذکر بات کانگریس کا ایک بین الاقوامی سیاسی جماعت ہونے کا دعویٰ کیا گیا۔ مہاتما گاندھی فرماتے ہیں۔ "کہ اس کانفرنس میں جتنی بھی پارٹیاں شامل ہیں۔ یہ سبھی اپنے اپنے فرقہ وارانہ جماعتوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ کانگریس واحد ایسی سیاسی جماعت ہے جو تمام ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے اور ان کے مفادات و مقاصد کی واحد نگران جماعت ـــــ یہ کوئی طبقاتی تنظیم نہیں ہے، اس جماعت نے ہمیشہ طبقاتی احوال اور تنظیم کی مخالفت کی ہے۔ کانگریس میں نسل، زبان اور عقیدے کا کوئی تعلق نہیں، کانگریس کا پلیٹ فارم بین الاقوامی پلیٹ فارم ہے۔ اور دنیا میں ایسی تنظیم نہیں جو اس طرح کا دعویٰ کر سکے۔" ـــــ

(مذکورہ بالا کتاب کا صفحہ نمبر ۲۰۱)

تحریک پاکستان کے دلدوز اور دلخراش حالات و واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ کہ کس طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انڈین نیشنل کانگریس نے دوسرے طبقات، دوسری جماعتوں اور خصوصاً مسلمانان ہند پر جو مظالم ڈھائے۔ روز روشن کی طرح واضح ہیں ـــــ مہاتما گاندھی کی سیاسی جمناسٹک ہر موڑ پر اپنا جلوہ دکھاتی نظر آتی ہے۔ ان کے سیاسی بیانات، قومی تقاریر اور ان کے نظریات و تصورات وقت کی مصلحتوں کے محتاج رہے، لیکن حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں آج تک کوئی دانشور، کوئی مفکر، کوئی سیاستدان، اپنا یا پرایا یہ نہ کہہ سکا کہ انہوں نے کبھی مصلحتانہ گفتگو کی ہو یا بیان دیا ہو۔ انہوں نے جس طرح اپنے نجی سیاسی بیانات میں برطانوی حکومت کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اسی طرح جلسہ عام میں بھی اظہار کیا۔ اگر بمبئی میں یا دہلی میں کوئی بیان دیا۔ تو ایسا کبھی ممکن نہ ہوا کہ اسے انگلستان میں جا کر بدل دیا ہو ـــــ یہ کمال فقط مہاتما گاندھی کو ہی حاصل ہے۔

ایچ ایم سیروائی لکھتے ہیں۔ "گاندھی ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو اپنے قتل تک کانگریس کے افق پر چھائے رہے۔ ہندوستان کے عوام کی جتنی عقیدت ان کے حصے میں آئی کسی اور لیڈر کو میسر نہ آ سکی۔ ان کے سادہ انداز زندگی نے انہیں پاکیزہ ہستی کا مرتبہ دے دیا۔ ان کے الفاظ ہندو دھرم کا حصہ لگتے تھے اور عوام کے دلوں میں اتر جاتے تھے۔ اس لئے ان کی کامیابیوں کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ویسے بھی یہ معلوم کرنا کہ ان کی شخصیت پر کب فقر اور کب سیاست حاوی ہوتی تھی، آسان کام نہیں۔ ۱۹۲۰ء میں بسنت کی جگہ گاندھی ہوم رول لیگ کے صدر بنے۔ بسنت نے لیگ سے علیحدگی اختیار کر لی، کیونکہ لیگ میں مذہب در آیا تھا۔ انگلستان اور ہندوستان میں لبرل پارٹی کے ممتاز لیڈروں نے سیاست اور مذہب کو الگ الگ رکھنے کے لئے کام کیا تھا۔ لیکن بسنت کی علیحدگی سے اس کے برعکس رجحان کی عکاسی ہوتی تھی ... عوام میں سیاسی شعور بیدار کرنے کے لئے مذہب کو سیاست میں داخل کرنا سمجھ میں آتا ہے، لیکن بہرحال اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ خود تقسیم ہند بھی اسی پالیسی کا واضح نتیجہ تھا ـــــ

گاندھی نے مکمل آزادی کو ہوم رول لیگ کی منزل قرار دے دیا۔ البتہ اس آزادی کے حصول کے لئے آئینی ذرائع استعمال کئے جانے تھے۔ ہوم رول لیگ کے قوانین کے تحت اس کے دستور میں تبدیلی لانے کے لئے نوٹس دینا اور چوتھائی اکثریت ضروری تھی۔ لیکن گاندھی نے نوٹس دیئے بغیر سادہ اکثریت کے ذریعے دستور میں تبدیلی کر دی۔ جب جناحؒ نے اس حرکت کے خلاف احتجاج کیا تو گاندھی نے بحیثیت صدر ان کے اعتراض کو رد کر دیا۔ چنانچہ جناح اپنے تیس ساتھیوں سمیت ہوم رول لیگ سے الگ ہو گئے۔ ان ساتھیوں میں منشی بھی شامل تھے۔ منشی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب گاندھی نے جناحؒ اور ان کے ساتھیوں کو ہوم رول لیگ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو ہم نے محسوس کیا کہ گاندھی جی (جن کا عوام پر گہرا اثر ہے) نے غیر آئینی تحریک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شروع کی ہے۔ جس کا نتیجہ وسیع پیمانے پر فسادات ہو گا اور اس طرح سیاسی خود اختیاری کے اداروں کو نقصان پہنچے گا۔ جن کی بنیاد تعلیم یافتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک پر رکھی گئی ہے۔ (یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کے اشتراک سے جو سیلف گورنمنٹ کا عمل جاری ہے وہ رک جائے گا) اس تحریک سے فرقہ وارانہ فسادات جنم لیں گے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ بہرحال جناحؒ نے حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے گاندھی جی سے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا۔

دوسرا واقعہ گاندھی جی کا تحریکِ خلافت کی حمایت کرنا تھا۔ تحریکِ خلافت خالصتاً مذہبی تحریک تھی، جیسا کہ خود گاندھی نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کے ینگ انڈیا میں بیان کیا کہ اگرچہ خلافت میرے اور مولانا محمد علی کے درمیان اتحاد کا باعث ہے اور یہ مولانا محمد علی کے لئے مذہبی معاملہ ہے۔ لیکن اگر میں خلافت کے لئے جان قربان کر کے مسلمانوں کے چاقوؤں سے گائے کو محفوظ کر سکوں تو یہ میرے دھرم کا تقاضا ہے۔

بہرحال گاندھی کا خیال تھا کہ وہ تحریکِ خلافت کی حمایت کر کے مسلم ہندو اتحاد کی بنیادیں مضبوط کر رہا ہے۔ منشی کے بقول جناحؒ نے گاندھی کو وارننگ دی کہ وہ مسلمان رہنماؤں کی تشدّد پسندی کو ہوا نہ دیں۔ بے شک جناح واحد انسان نہیں تھا جس نے اس خطرے کو محسوس کیا۔ سری نیواس شاستری نے بھی لکھا ہے کہ مجھے خدشہ ہے کہ یہ تحریک ہمیں تباہی کی طرف لے جائے گی۔

بہت سے مصنّفین نے گاندھی جی کی خلافت کی حمایت کو غلطی قرار دیا ہے۔ کئی برس بعد گاندھی نے رچرڈ کیسی، گورنر بنگال کو بتایا کہ جناحؒ نے اسے کہا تھا کہ وہ مذہب کو سیاست میں لا کر ہندوستانی سیاست کو تباہ کر رہے ہیں۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مذہبی جذبات کو ابھارنا ہندوستان کے اتحاد کے لئے خطرناک تھا اور یہی روش مستقبل میں تباہی کا باعث بنی۔

ابھی تحریکِ خلافت جاری تھی جب ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز (بعد ازاں بادشاہ ایڈورڈ ہشتم) ہندوستان آئے۔ گاندھی نے ان کی آمد کا بائیکاٹ کیا۔ جو خاصی حد تک کامیاب رہا۔ اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں پرنس کا کلکتہ کا دورہ (جہاں اسے وکٹوریہ میموریل کی نقاب کشائی کے لئے آنا تھا) ناکام نہ ہو جائے "وائسرائے لارڈ ریڈنگ نے پنڈت مدن موہن مالویہ، سی آر داس اور مولانا ابوالکلام آزاد سے رابطہ کیا جو اس وقت جیل میں بند تھے۔ وائسرائے نے پیش کش کی کہ وہ ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے سوال پر غور و فکر کے لئے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بلائیں گے۔ بشرطیکہ پرنس کا دورہ کلکتہ کا بائیکاٹ ختم کر دیا جائے۔ داس اور آزاد اس شرط پر پیش کش قبول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے کے لئے تیار تھے کہ تمام کانگریسی لیڈروں کو گول میز کانفرنس سے قبل رہا کر دیا جائے۔ جب یہ نقطہ نظر گاندھی کو پہنچایا گیا تو اس نے اصرار کیا کہ کانفرنس کی پیش کش پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کانگریسی لیڈروں بشمول محمد علی شوکت علی کو رہا کیا جائے۔ بعد ازاں گاندھی نے بمبئی میں کانفرنس کی۔ جس میں انہی شرائط پر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز پیش کی جو اس سے قبل پنڈت مالویہ تجویز کر چکا تھا۔ اسی دوران پرنس آف ویلز جا چکا تھا۔ اور وائسرائے کی ان تجاویز میں دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ مولانا ابوالکلام کے نزدیک یہ گاندھی کی فاش غلطی تھی اور اس طرح ہم آزادی ہند کی جانب پیش رفت سے محروم رہے۔ منشی کا خیال ہے کہ اگر گاندھی وائسرائے کی تجاویز مان لیتا تو ہم ۱۹۳۷ء سے قبل ہی ڈومینین کا درجہ حاصل کر لیتے اور اس طرح ہندوستان تقسیم ہونے سے بچ جاتا۔ یہ موقع بہت سے مواقع میں سے ایک ہے جو گاندھی کی سربراہی میں کانگریس نے ضائع کئے اور جن سے ہندوستان آزاد بھی ہو سکتا تھا اور ہندو مسلمان اکٹھے بھی رہ سکتے تھے۔"

تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنف ایچ ایم سیروائی

مترجم ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ نمبر ۲۵ - ۲۷)

ایچ ایم سیروائی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ "شیو راؤ نے ۱۹۶۹ء میں اپنی کتاب میں لکھا کہ حتیٰ کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد تک جناحؒ پاکستان بنانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا جناحؒ نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد ایک بیان میں کھلے بندوں یہ کہا کہ "اگر ہندوؤں اور مسلمانوں میں مناسب سمجھوتہ ہو جائے تو مجھ سے زیادہ کون خوش ہو گا۔ اور مجھ سے زیادہ کون اس ضمن میں مددگار ثابت ہو گا۔ جناح نے گاندھی کو بھی اپیل کی کہ وہ اس مسئلے کو حل کرے۔ گاندھی کا جواب تکلیف دہ تھا۔ "کاش! میں کچھ کر سکتا لیکن میں بالکل بے بس ہوں۔ میں اتحاد میں یقین رکھتا ہوں لیکن مجھے دور تک روشنی نظر نہیں آتی۔ ہر طرف تاریکی ہے اور میں ان مصیبت کے لمحات میں خدا سے روشنی مانگتا ہوں۔"

بہرحال گاندھی کی روشنی کے لئے درخواست کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

ہندوستان میں تین برسوں کے اندر اندر حالات کس طرح بدلے کہ تحریک (پاکستان) مضبوط بن کر ابھری اس کا جواب یہ ہے کہ انتخابات سے قبل کانگریس کو یوپی میں اکثریت حاصل ہونے کا احساس نہیں تھا۔ چنانچہ کانگریس نے مسلم لیگ سے سمجھوتہ کر لیا جس کا اطلاق یوپی سے باہر بھی ہونا تھا۔ اس سمجھوتے کا مقصد انتخابات کے دوران دونوں جماعتوں کو مل کر کام کرنے پر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پابند کرنا تھا۔ چنانچہ جب کانگریس نے انتخابات کے بعد مسلمانوں کو اپنے ساتھ شریک کرنے سے انکار کر دیا تو مسلمانوں اور ان کے رہنماؤں نے اسے وعدہ خلافی تصور کیا۔ اس کے بعد نہرو نے مسلمانوں کو اپنے پیچھے لگانے کے لئے عوامی مہم شروع کی جو ناکام بھی رہی اور اس سے مزید پیچیدگیاں پیدا ہوئیں۔ مسلمانوں کو احساس ہوا کہ اب مسلم لیگ کا وجود خطرے میں ہے چنانچہ انہوں نے کانگریس کی عوامی مہم کے جواب میں موثر پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی۔ یہ پبلسٹی اس قدر موثر تھی کہ بہت سے مسلمان انتخابی حلقوں کے ضمنی انتخابات میں کانگریس ہار گئی۔ ان شکستوں نے ثابت کر دیا کہ نہرو اور کانگریس نے بہت بڑی حماقت کی ہے۔

یہ بھی ایک بدقسمتی تھی کہ مخلوط حکومت سے انکار اور ۱۵ر اکتوبر ۱۹۳۷ء جناح کی لکھنؤ میں تقریر کے بعد جناحؒ اور گاندھی اور نہرو اور گاندھی میں خط و کتابت شروع ہو گئی۔ گاندھی نے جناح کی لکھنؤ والی تقریر کو اعلان جنگ قرار دیا۔ جب کہ جناحؒ کا موقف تھا کہ یہ محض اپنے دفاع کی کوششیں ہے۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ نقصان دہ نہرو کا وہ خط ہے جو انہوں نے جناحؒ کے نام چھ اپریل ۱۹۳۸ء کو کانگریس کی جانب سے لکھا۔ اس میں نہرو نے لکھا۔ "ظاہر ہے کہ مسلم لیگ ایک اہم فرقہ وارانہ جماعت ہے اور ہم اس کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ ہمیں ان تمام تنظیموں اور افراد کے ساتھ نپٹنا پڑتا ہے۔ جن سے ہمیں پالا پڑتا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے پاس ایسا کوئی پیمانہ نہیں جس سے ہم ان کی اہمیت کا اندازہ لگائیں بہرحال جو تنظیم جتنی اہم ہوتی ہے اسے اتنی ہی اہمیت ملتی ہے لیکن یہ اہمیت باہر سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا انحصار تنظیم کی اپنی باطنی قوت پر ہوتا ہے اور دوسری تنظیمیں چاہے وہ چھوٹی یا کم عمر ہوں ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔"

نہرو کے اس خط کا جواب جناحؒ نے ان الفاظ میں دیا۔ "آپ کے خط کا انداز اور تیور اسی غرور اور تشدد کی عکاسی کرتا ہے۔ اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے جیسے اقتدار اعلیٰ کانگریس کے پاس ہے۔ میں یہ بات عوامی سطح پر بھی کہہ چکا ہوں کہ میرے خیال میں اگر کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کرتی تو پھر ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا پڑے گا جب تک ہماری قوت اتنی نہیں ہوتی کہ ہمیں مناسب اہمیت دی جائے۔" کانگریس کے اس رویئے اور جماعتی قوت کے طعنے نے سنجیدہ صورت حال کو جنم دیا جس کے ۱۹۴۶ء میں خطرناک نتائج نکلے۔

تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنفہ ایچ ایم سیروائی

ترجمہ اور اضافے، ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ نمبر ۳۳ - ۳۴)

ایچ ایچ سیروائی حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں مزید اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جب گاندھی نے کانگریس کی قیادت سنبھالنے کے بعد آزادی کے حصول کے لئے آئینی ذرائع کو خیرباد کہا تو جناحؒ نے بھی کانگریس کو چھوڑ کر ہوم رول لیگ میں شرکت اختیار کر لی۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ غیر آئینی طریقے تشدد اور فسادات کو جنم دیں گے مزاج اور تربیت کے حوالے سے وہ جذباتی خطابت سے گریز کرتے تھے۔ لیکن وہ مضبوط اور موثر مقرر تھے، چاہے عدالت ہو یا جلسہ عام۔ بقول چھاگلہ "جناح کی سب سے بڑی خوبی مستقل مزاجی تھی۔ اگر وہ ایک بار ارادہ کر لیتے تو پھر دنیا کی کوئی قوت بھی انہیں مقصد کی راہ سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ کوئی ترغیب، رشوت یا دباؤ ان پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ اور ان کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک نیا ملک بنا دیا..... پاکستان..... حالانکہ انہیں طاقتور پریس کی حمایت حاصل نہ تھی۔ ان کے مالی وسائل قلیل تھے اور عوامی حمایت بھی واجبی سی تھی۔"

"جناح آئینی ذرائع میں یقین رکھتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ راست اقدام کا نتیجہ وسیع تشدد اور ہندو مسلم فسادات کی صورت میں نکلے گا۔ جولائی ۱۹۴۶ء میں جناحؒ کے پاس راست اقدام کا ہتھیار نہیں تھا۔ جسے کانگریس انگریزوں کے خلاف موثر انداز سے استعمال کرتی رہی تھی اور دوبارہ استعمال کرنے کی دھمکی دے رہی تھی۔

جناحؒ ایک بہت بڑی اقلیت کا لیڈر تھا۔ لیکن اگر ایک انسان ایک ووٹ کا اصول مان لیا جاتا تو بقول جناحؒ "برادر گاندھی کے تین ووٹ اور برادر جناحؒ کا ایک ووٹ تھا۔" ــــــ

تقسیم ہند کے قریب آنے تک جناحؒ مسلم لیگ پر غالب نہیں تھے جس طرح گاندھی کانگریس پر..... جناحؒ کو پنجاب میں سر سکندر حیات، بنگال میں فضل الحق اور دیگر مقامی لیڈروں سے نبھا کرنا تھا ــــــ"

تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنفہ ایچ ایم سیروائی

(ترجمہ اور اضافے، ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ نمبر ۵۸ - ۵۹)

ایچ سیروائی تقسیم ہند کے ضمن میں گاندھی کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ ان کی سیاسی غلطیوں کو اجاگر کرتے ہیں مگر جہاں تک حضرت قائداعظمؒ کے سیاسی کردار اور قومی خدمات کا تعلق ہے۔ انہوں نے برملا اظہار کر کے حضرت قائداعظمؒ کو ایک عظیم ترین قائد ثابت کر دیا ہے۔ وہ مزید رقم کرتے ہیں۔ کہ

کابینہ مشن پلان کی ناکامی کی وجوہ

"اس ناکامی کی ذمہ داری بہت سے عوامل پر ہے۔ جن میں گاندھی، نہرو، پٹیل، جناح،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھک لارنس اور کرپس کی شخصیات بھی شامل تھیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ
ندھی نے ہندو مسلم اتحاد پر بار بار زور دیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے عملی طور پر اتحاد کے
ئے کوئی کوشش نہ کی۔ وہ اکثر اوقات مسائل کا حل باطنی روشنی (آسمانی راہنمائی) پر چھوڑ دیتا
ا۔ لیکن وہ ہمیشہ باطنی روشنی سے محروم رہا۔ قارئین ضرور سوچیں کہ ہندو مسلم اتحاد کوئی مذہبی
سئلہ نہیں تھا جس کے لئے باطن کی روشنی یا خدائی راہنمائی کی ضرورت تھی۔ یہ ایک سیاسی مسئلہ تھا
ر اس کا حل بھی سیاسی ہی ہونا چاہئے تھا۔ گاندھی نے یہ حل ڈھونڈنے کی ہرگز کوشش
۔"

دوسری افسوس ناک بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گاندھی کو روشنی (راہنمائی) دینے سے
کار کر دیا یعنی محروم رکھا اور گاندھی نے آزادی کی پیش کردہ روشنی کو مسترد کر دیا۔ جب کہ آزاد
ا کانگریسی، ممتاز نیشنلسٹ اور نہرو گاندھی کا قریبی دوست تھا۔ یہی نہیں کہ گاندھی نے آزادی کی
لائی ہوئی روشنی سے آنکھیں پھیر لیں بلکہ انہوں نے دوسرے نیشنلسٹ مسلمانوں کی روشن کردہ
ع کو بھی درخور اعتنانہ سمجھا۔ لیکن یہ کوئی حیرت کی بات نہیں، کیونکہ ۴۶ - ۱۹۴۵ء کے انتخابات
سے ذرا قبل نیشنلسٹ مسلمانوں کی حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ ان کو ضرورت کے مطابق استعمال کیا جا
یا تھا اور اب وہ کانگریس کے لئے اس سے زیادہ قابل توجہ نہیں رہے تھے کہ کبھی کبھار انہیں ان
ے قومی رویئے اور نیشنلسٹ نقطہ نظر پر شاباش دے دی جائے۔

اگرچہ گاندھی محسوس کرتا تھا اور اس نے درست طور پر تسلیم کیا کہ ۱۹۴۵ء کے انتخابات
کے بعد مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ کو حاصل ہے۔ اس کے
وجود گاندھی نے ۶ر مئی ۱۹۴۶ء کو ویول اور کابینہ مشن کو بتایا "ہمیں (مشن کو) یا تو کانگریس
کے نقطہ نظر کو پوری طرح قبول کرنا ہے اگر یہ ہمارے نزدیک مبنی بر انصاف ہے اور پھر جناح" کے
نظہ نظر کو تسلیم کرنا ہے اگر ہم سمجھیں کہ وہ زیادہ منصفانہ ہے کیونکہ اس میں بین بین یا درمیانی
سورت ممکن نہیں۔" ویول نے مزید لکھا ہے۔ "گاندھی کو خانہ جنگی کے امکانات بھی متاثر نہ کر
یئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ پٹیل کے اس تھیسس (نقطہ نظر) پر عمل کر رہا ہے کہ ہم ڈٹے رہیں تو
سلمان نہیں لڑیں گے۔"

پھر گاندھی نے پلان کی روح اور مقصد کو سمجھے بغیر اس کے خلاف مرن برت رکھ لیا۔ اس
دلیل یہ تھی کہ چونکہ پلان میں محض سفارش کی گئی ہے اس لئے دونوں پارٹیاں اس پر عمل کرنے
پابند نہیں ہیں۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ چونکہ پلان دونوں پارٹیوں میں سمجھوتہ نہیں کروا سکا اس
[illegible] آزادی [illegible] اس میں تبدیلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرے اس کی شقوں کو بدل لے یا پلان کی کسی بھی شق کو مسترد کر دے۔ اب تک کے مطبوعہ ریکارڈ اور دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ گاندھی شعوری اور لاشعوری طور پر ہندو اکثریت کے حسن ظن میں مبتلا تھا اور سمجھتا تھا کہ ہندوستان کی اکثریت کے بل بوتے اور راست اقدام کی دھمکی سے وہ متحدہ ہندوستان آزاد کرا لے گا۔ مسلم لیگ مانے نہ مانے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک غیر ملکی صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے گاندھی نے کہا "ہندوستان آزادی کی راہ پر چل رہا ہے اور آزادی بہت قریب ہے چاہے کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ ہو یا نہ ہو۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ ہندوستان آزادی کے لئے کافی خون بہا چکا ہے۔"

جب اس صحافی نے یہ پوچھا کہ یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تھوڑی سی قربانی کر کے تصفیہ کر لیا جائے تو گاندھی کا جواب تھا "ہم ایک مشکوک فائدے کی خاطر اصول قربان نہیں کر سکتے" ـــــ اس انٹرویو میں گاندھی نے کہا کہ دونوں میں سے ایک پارٹی بہرحال غلطی پر ہے۔"

(تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنفہ ایچ ایم سیروائی
ترجمہ اور اضافے ڈاکٹر صفدر محمود صفحہ ۷۲ - ۷۳)

یہاں برسبیل تذکرہ لارڈ مونٹ بیٹن کے ضمن میں ان کے اپنے ہی ہم وطنوں کی آراء اور نظریات قارئین کی دلچسپی کا باعث بنیں گے کہ جب وہ برصغیر میں وائسرائے کی حیثیت سے آئے اور انہوں نے برصغیر کی سیاست میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ایک طویل داستان ہے۔ یہ داستانیں سینکڑوں کتب میں چھپ بھی چکی ہیں۔ یہاں صرف اجمالی تذکرہ پیش کیا جائے گا۔ ایچ ایم سیروائی اپنی کتاب میں اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

"کہانی مشہور ہے کہ جب نہرو مونٹ بیٹن سے ملا تو اس کے پراعتماد لہجے اور اتھارٹی سے بہت متاثر ہوا۔ مونٹ بیٹن کے ہندوستان پہنچنے کے چند دن بعد نہرو نے اس سے پوچھا "کیا کسی معجزے کے تحت آپ کو مکمل اختیارات مل گئے ہیں۔" مونٹ بیٹن نے کہا "فرض کریں کہ اگر ایسا ہی ہو تو اس سے کیا فرق پڑے گا" نہرو نے جواب دیا "آپ کیسے کامیاب ہوں گے جب کہ باقی تمام ناکام ہو چکے ہیں" ـــــ کلی اختیارات کے بارے میں مونٹ بیٹن نے نہرو سے جو بھی کہا ہو حقیقت یہ ہے کہ اس پر کوئی خصوصی اختیارات نچھاور نہیں کئے گئے تھے۔ جیسا کہ ذیگلر نے لکھا ہے کہ "کلی اختیارات کا مطلب ہوتا ہے کہ اپنی مرضی سے حکومت برطانیہ سے رجوع کئے بغیر فیصلے کرنے کا اختیار..... کیا مونٹ بیٹن کو اس طرح کی آزادی کبھی حاصل تھی۔ اس کے برعکس اس نے نہ صرف اپنا سٹیبلشمنٹ کا ڈرافٹ پلان لندن منظوری کے لئے بھیجوا دیا بلکہ جب اسے اس میں تبدیلیاں کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ لندن گیا تاکہ اپنے نقطہ نظر کو خود پیش کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکے "_____

Mountbatten By Zeigler P355-356

بلاشبہ مونٹ بیٹن کو موقع کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت تھی۔ جو ویول کو حاصل نہیں تھی۔ ماسوا ایک نقطے کے جسے کانگریس نہایت اہم سمجھتی تھی۔ مونٹ بیٹن نے جو بھی چاہا، ایٹلی کی حکومت نے عام طور پر سر تسلیم خم کر لیا_____

اب جبکہ ہندوستان میں انتقال اقتدار سے متعلق سارا سرکاری ریکارڈ ٹرانسفر آف پاور کے عنوان سے چھپ چکا ہے اور یہ ۱۹۴۷ء تک ساری پیش رفت کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لئے اب مونٹ بیٹن کے عہد اقتدار کا صحیح تجزیہ کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر یہ بات اہم ہے کہ اب تک مونٹ بیٹن سکول آف تھاٹ (مکتبہ فکر) کی جانب سے "مشن وومونٹ بیٹن"، "گریٹ ڈیوائیڈ" اور "فریڈم ایٹ مڈ نائٹ" جیسی کتب شائع ہو چکی ہیں اور خود مونٹ بیٹن پر زیگلر کی کتاب چھپ چکی ہے اس لئے تحریک آزادی کے اس اہم حصے پر اس قدر مواد سامنے آ چکا ہے کہ اب اس دور کا منصفانہ جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ زیگلر کی کتاب ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اگرچہ یہ کتاب مونٹ بیٹن کی مدح لگتی ہے تاہم اس میں تنقید بھی ہے زیگلر نے اس کتاب میں مونٹ بیٹن کے بارے میں جو ذاتی تاثرات دیئے ہیں ان کا تھوڑا سا ذکر کر لیا جائے_____

زیگلر لکھتا ہے کہ ۱۹۷۳ء میں سولی ذکرمین نے بڑی محنت سے مونٹ بیٹن کا سکیچ لکھا اور مونٹ بیٹن کو دکھایا جو بظاہر خوش ہوا اور کہنے لگا "بلاشبہ مجھے کوئی اچھی طرح نہیں جانتا اور نہ ہی موثر انداز سے میری خامیوں کو بے نقاب کر سکتا ہے، کیونکہ ایسی تصویر کا کیا فائدہ جس میں داغ نہ ہوں_____" چنانچہ زیگلر لکھتا ہے کہ بے شک داغوں کے بغیر مونٹ بیٹن کی تصویر کسی کو پسند نہیں آئے گی اور نہ ہی کوئی اس کا قائل ہو گا۔ ان الفاظ کے بعد اس نے مونٹ بیٹن کی شاندار تصویر کھینچی ہے۔ "اس کی باقی تمام باتوں کی مانند، اس کے نقائص بھی بہت عظیم اور نمایاں ترین تھے اس کا غرور اگرچہ بچوں جیسا تھا، لیکن نہایت قابل نفرت اور اس کی اقتدار کی ہوس اور خواہش بالکل بے لگام تھی۔ اس کے ہاتھ میں سچائی جو "دراصل ہے۔" سے جو "چاہے کی شکل اختیار کر لیتی تھی یعنی وہ حقیقت کو اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھال لیتا تھا۔ اس نے تاریخ کو اس طرح لکھنے کی کوشش کی کہ حقائق سے منہ پھیر کر صرف اس کی کامیابیوں کا مبالغہ آمیز ذکر ہوا ایک وقت وہ بھی آیا کہ مجھے بہت غصہ آیا، کیونکہ مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے دھوکہ دینے پر تلا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے مجبور ہو کر یہ نوٹس لکھا اور اپنے میز پر چپکا دیا۔ "یاد رکھو! ہر بات کے باوجود ایک عظیم انسان تھا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان الفاظ سے عیاں ہے کہ مونٹ بیٹن اپنی کامیابیوں کا ڈھنڈورا پیٹنے کے لئے جھوٹ کو سچ پر ترجیح دیتا تھا اور یہ ایک قابل ذکر حقیقت ہے زیگلر نے مونٹ بیٹن کی ہندوستان کے وائسرائے کی حیثیت سے جو لفظی تصویر کھینچی ہے وہ زیادہ دلچسپ ہے۔ "ان دنوں جہاں تک ممکن تھا کھلی سیاست اور ڈپلومیسی کا رواج تھا لیکن اس کھلے پن کا مطلب یہ نہیں کہ جوڑ توڑ یا دھوکہ دہی نہیں تھی۔ لیکن یہ سب کچھ اس کے دونوں پیشروں کے لئے ناقابل تصور تھا۔ مونٹ بیٹن آگاہ تھا کہ اس کے بعض مشیر محسوس کرتے ہیں کہ اس کے ہتھکنڈے بعض اوقات غیر اخلاقی قسم کے ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا خیال تھا کہ عظیم تر بھلائی کے حصول کے لئے شعبدہ بازی جائز ہے۔ سیدھا سادا جھوٹ نہ بولا جائے۔ لیکن حالات کے سبب جھوٹ قابل قبول ہے۔ اس کے ڈپٹی پرائیویٹ سیکرٹری آیان سکاٹ کو یاد ہے کہ مونٹ بیٹن کوئی اقدام تجویز کرنے کے بعد اوپر دیکھا کرتا اور میرے اور ایبل کے چہرے کے تاثرات پڑھا کرتا، پھر وہ کہتا "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ (تم سوچ رہے ہو کہ) ویول کبھی ایسا نہ کرتا بہرحال میں ویول نہیں ہوں"

سوانح نگار کی حیثیت سے زیگلر نے مونٹ بیٹن کی صاف، واضح اور خوشگوار تصویر پیش کی ہے۔ اور اس کے کارناموں کا بھی ذکر کیا ہے، البتہ ایک جرات مندانہ سوانح نگار زیر تحریر شخصیت کا تاریخ میں مقام گرا سکتا ہے جب ایک بار یہ بات تسلیم کر لی جائے کیونکہ مطبوعہ مواد سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مونٹ بیٹن بحیثیت وائسرائے اپنی شان و شوکت اور عزت بڑھانے کے لئے جھوٹ کو سچ پر ترجیح دیتا تھا۔ وہ جوڑ توڑ، دھوکہ دہی، شعبدہ بازی اور موقع کے مطابق جھوٹ بولنے سے گریز نہیں کرتا تھا تو پھر انتقال اقتدار میں اس کا رول بہت زیادہ مشکوک ہو جاتا ہے۔ اس پر اعتماد مجروح ہوتا ہے اگر پوری طرح ختم نہ ہو تو اس کے بیانات اور گواہیاں اور یہ کہ دوسروں نے اسے کیا کہا قابل قبول نہیں رہتا۔ جب تک کہ ان کی چھان بین نہ کی جائے اور دوسرے ٹھوس شواہد دستیاب نہ ہوں۔ مونٹ بیٹن کے عہد کا مطالعہ کرتے ہوئے قارئین کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے خاص طور پر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ مونٹ بیٹن قابل نفرت حد تک مغرور انسان تھا جب کہ وہ خود اور اس کے سٹاف کے اراکین جناح کو غرور کا الزام دیتے ہیں۔"

(تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت: مصنفہ ایچ ایم سیروائی

ترجمہ اور اضافے، ڈاکٹر صفدر محمود صفحہ نمبر ۱۱۹ - ۱۲۲)

یہاں لارڈ مونٹ بیٹن کا ذکر کرنا اس لئے ضروری تصور کیا ہے کہ مذکورہ بالا کتاب کا مصنف کوئی مسلمان مصنف نہیں بلکہ ایک پارسی مصنف ہے جس نے تقسیم ہند کے مرحلے کو اپنی حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھا ہے، اور پھر اس تقسیم ہند کے ڈرامے میں ملوث ان تمام کرداروں کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بے لاگ تبصرہ اور تجزیہ کیا ہے۔ جو تاریخ کے آئینے میں صاف اور واضح طور پر نظر آ رہے ہیں۔ حضرت قائداعظمؒ کا ایچ. ایچ ایم سیروائی کی نظر میں جو تھا انہوں نے واضح کر دیا۔۔۔ قیادت و سیاست کے اعلیٰ معیار کو اگر بیگانے سراہیں تو مزا اس بات میں ہے۔ ؎ ایں سعادت بزور نیست

ایچ ایم سیروائی مہاتما گاندھی کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں۔

"انتقال اقتدار کے حوالے سے ایک نوٹ یاد آیا جو میجر واٹ نے ۱۳ر اپریل ۱۹۴۶ء کو تیار کیا تھا اور اس کی گاندھی سے گفتگو پر مشتمل تھا۔ اس میں کہا گیا تھا "وہ (گاندھی) سمجھتا ہے کہ ہندوستان کے مسائل کے حل کے لئے خون بہانا پڑے گا۔ وہ کانگریس پر عدم تشدد کے لئے زور دے گا۔ لیکن اسے توقع نہیں کہ وہ اس پر عمل کریں۔ خانہ جنگی کی صورت میں وہ توقع کرتے ہیں کہ کانگریس اچھی طرح لڑے گی اور ایک دانت کے بدلے ایک دانت نکالے گی اور برطانیہ کی مانند ایک دانت کے بدل سو دانت نہیں لے گی"۔۔۔

(بحوالہ ٹرانسفر آف پاور، جلد ہفتم، صفحہ نمبر ۲۶۲)

گاندھی نے ۲۷ر اگست ۱۹۴۶ء کو مقدمات کے دوران ویول سے کہا کہ "اگر ہندوستان کو قتل عام کی ضرورت ہے تو پھر خون بہے گا" قدرتی طور پر ویول گاندھی سے یہ الفاظ سن کر سکتے میں آ گیا۔ بقول ویول اسے بے حد صدمہ ہوا۔۔۔

اسی طرح مونٹ بیٹن نے بھی لکھا ہے کہ یکم اپریل ۱۹۴۷ء کو ایک انٹرویو کے دوران "گاندھی نے مجھے کہا کہ جو کچھ بھی ہو، سچائی کا ساتھ دو، چاہے صحیح حل کے لئے ہندوستان سے جاتے وقت انسانی زندگیوں کی بے پناہ قربانی دینی پڑے"۔۔۔

گاندھی کے ان بیانات کو آسانی سے اس کے اس دعویٰ کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کیا جا سکتا کہ عدم تشدد میرے مسلک کا بنیادی حصہ ہے اس طرح کا مسلک گاندھی کے ان بیانات کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا۔ جن میں کہا گیا ہے اس طرح کے خون کا غسل ناگزیر ہے۔ وائسرائے کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ سچائی پر عمل کرے۔ چاہے بے پناہ انسانی خون بہے (یہ بھی ایک طرح کی منافقت تھی) کہ گاندھی اپنے مریدوں، پیروکاروں کو عدم تشدد کی تلقین یہ جانتے ہوئے کیا کرتے تھے کہ میری تلقین مسترد کر دی جائے۔ کیا اس صورت میں یہ توقع جائز تھی کہ ایک دانت کے بدلے ایک ہی دانت (کیونکہ لڑائی میں حساب رکھنا ناممکن ہوتا ہے) اس سلسلے میں نہرو نے کرپس کو ایک سوال کے جواب میں کہا "مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مسلم لیگ دستور ساز اسمبلی میں کیوں نہیں آتی اور توضیح کے لئے فیڈرل کورٹ میں کیوں نہیں جاتی۔ اس کے علاوہ پھر دوسرا معیار تو لڑائی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معیار ہے" ـــــــ

(ٹرانسفر آف پاور، جلد نہم، صفحہ نمبر ۲۵۹)

اگر ان اشاروں (خونین غسل، تباہی، لڑائی کا معیار) کا مقصد مسلم لیگ کو یہ بتانا تھا کہ اگرچہ گاندھی عدم تشدد کا پرچارک ہے۔ لیکن اگر مسلم لیگ کانگریس کی کابینہ مشن پلان کی توضیح نہیں مانتی تو پھر وہ نہرو اور گاندھی خونین غسل، قتل عام اور لڑائی کے لئے تیار ہیں تو ان اشاروں کا خاص طور پر یہ جس فضا میں کئے گئے۔ الٹا اثر ہوا۔ اگر یہ دھمکیاں مسلم لیگ کو جھکا سکتیں تو پھر کانگریس کے دباؤ کے تحت حکومت برطانیہ بھی عبوری حکومت کو ڈومنین کا درجہ دے دیتی۔ اس سے کانگریس کو ہندوستان کی پوری مشینری پر کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اس قدر مضبوط بنا لیتی کہ جب جون ۱۹۴۸ء میں برطانیہ اقتدار سے الگ ہوتا تو کانگریس خود ہی مسلم لیگ سے نمٹ لیتی۔ مسلم لیگ نے اس دھمکی کا جواب یوں دیا کہ اول تو کانگریس کے ڈومنین درجہ کے مطالبے کی مخالفت کی اور آمیں مسلم لیگ کامیاب رہی۔ دوم مسلم لیگ نے زور دیا کہ اگر حکومت برطانیہ کانگریس کے دباؤ کا مقابلہ کر کے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی تو پھر وہ جلد از جلد تشریف لے جائے۔ چنانچہ لیاقت علی خان نے کہا "وائسرائے مسلمانوں کے لئے کچھ نہیں کر سکتا جب کہ حکومت برطانیہ احسن طریقے سے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے تیار نہ ہو، ضرورت پڑے تو یہاں ٹھہرنے کے لئے بھی۔ ان کے لئے بہتر ہو گا کہ وہ ملک چھوڑ دیں اور پارٹیوں کو آپس میں معاملات طے کرنے دیں۔"

(تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنفہ ایچ ایم سیروائی
ترجمہ اور اضافے، ڈاکٹر صفدر محمود صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲)

تقسیم ہند کی ذمہ داری مسٹر گاندھی پر ڈالتے ہوئے ایچ ایم سیروائی لکھتے ہیں۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہندوستان کی تقسیم اور اس کے بعد ہونے والی تباہیوں کی ذمہ داری گاندھی اور نہرو پر عائد ہوتی ہے۔ جنہوں نے کیبنٹ مشن پلان کو مسترد کر دیا تھا۔ تاہم جیسا کہ انصاف کا تقاضا تھا۔ میں نے ان کی اس کوشش کا ذکر بھی کر دیا ہے جو انہوں نے تقسیم کو روکنے کے لئے کی۔ مگر یہ کوشش بہت تاخیر سے کی گئی۔ ـــ

گاندھی نے ہندوستان کو تقسیم سے بچانے کے لئے ایک اور کوشش بھی کی۔ وہ یہ کہ انہوں نے تجویز پیش کی کہ مونٹ بیٹن جناح کو وزیر اعظم بننے کے لئے کہیں، ایک ایسا وزیر اعظم جسے اپنی ٹیم کے انتخاب اور پاکستان کے لئے کام کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے بارے میں مونٹ بیٹن کی معلومات غیر معمولی طور پر محدود تھیں اور گمان غالب یہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ انہوں نے ۳ر اپریل ۱۹۴۶ء کو گاندھی اور کیبنٹ وفد کے درمیان ہونے والی ملاقات کی تفصیلات کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اگر ان کی نظر ان تفصیلات پر ہوتی تو مونٹ بیٹن کو بخوبی علم ہو جاتا کہ گاندھی جناح کو وزیر اعظم بنانے کی تجویز وفد کے روبرو پہلے ہی پیش کر چکے ہیں اور اسے ناقابل عمل قرار دیا جا چکا ہے۔ گاندھی نے اس ملاقات میں کہا تھا۔ کہ

عبوری حکومت کو مکمل طور پر قومی ہونا چاہئے۔ مسٹر جناح اب اس حکومت کے لئے جسے چاہیں منتخب کریں تاہم یہ انتخاب متعلقہ اسمبلی کی رائے کا پابند ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ اگر معاملے کو دیانتدارانہ انداز میں چلایا جائے تو انہیں کونسل کے لارڈ ویول کے سامنے جوابدہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا کہ امر واقع یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسٹر جناح کو اسمبلیوں میں اکثریت حاصل نہیں ہے۔ اگر انہوں نے وزراء کا انتخاب کرنا ہے تو انہیں ان وزیروں کی اکثریت اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعتوں سے منتخب کرنا پڑے گی مسٹر گاندھی کا کہنا یہ تھا کہ اس حقیقت سے مفر ممکن نہیں کانگریس کو زیادہ تر اسمبلیوں میں اکثریت حاصل ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ صوبائی اسمبلیوں میں سے منتخب اراکین کو مرکزی اسمبلی میں بھیجا جائے۔ جہاں اراکین کو استعفیٰ دلوا کر نشستیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح یہ نمائندے مرکزی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔ سیکرٹری آف سٹیٹ نے کہا کہ اس صورت میں بھی امر واقعہ یہ ہے کہ اسمبلی پر ہندو اکثریت کا غیر معمولی غلبہ ہو گا۔ اگر مسٹر جناح اس بنیاد پر اسمبلی تشکیل دینے کے لئے تیار نہیں تو یہ دعوت کانگریس کو دی جا سکتی تھی۔"

مسٹر گاندھی نے کہا کہ وفد کو درپیش صورت حال کی مشکلات پوری طرح ان کی نظر میں ہیں۔ اگر وہ ایک غیر ذمہ دارانہ حد تک رجائیت پسند نہ ہوتے تو اب تک کسی بھی حل کی آس کھو چکے ہوتے"۔

(ٹرانسفر آف پاور۔ جلد ہفتم، صفحہ نمبر ۱۱۶ - ۱۱۸)

جب مونٹ بیٹن نے گاندھی کی تجویز نہرو کے سامنے رکھی تو انہوں نے بجا طور پر یہ کہا کہ گاندھی یہ تجویز اس سے پہلے کیبنٹ مشن کے سامنے پیش کر چکے ہیں اور اس وقت اسے ناقابل عمل قرار دے کر رد کر دیا گیا تھا۔"

(تقسیم ہند، افسانہ اور حقیقت، مصنف ایچ ایم سیروائی
ترجمہ اور اضافے، ڈاکٹر صفدر محمود، صفحہ نمبر ۲۳۰ - ۲۳۱)

مندرجہ بالا حوالہ جات جتنے بھی تحریر کئے گئے ہیں۔ ان سے دراصل ثابت کرنا یہ مقصود ہے کہ مسٹر گاندھی، نہرو، پٹیل وغیرہ کا کردار ایچ ایم سیروائی نے کس انداز سے بیان کیا۔ انہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے ان شخصیات پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ اور بے لاگ تبصرہ کر کے حضرت قائداعظمؒ کے سیاسی کردار اور ان کے مثبت طرز عمل کی تعریف کی ہے یہ بات واضح رہے کہ مذکورہ بالا کتاب کا مصنف کوئی مسلمان مصنف نہیں، اپنوں کی تعریف تو اپنے ہی کرتے ہیں۔

سراج نظامی (مرحوم) نے حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں تحریر کیا ہے۔ اور ان کا یہ حوالہ ہندو استعماریت اور گاندھی ازم کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ "دسمبر ۱۹۳۸ء میں لیگ کا اجلاس پٹنہ میں ہوا۔ آپ نے اپنے خطبہ صدارت میں سیاسی حالات کانگریس کی حکمت عملی اور ہندو نوازی کا تجزیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

میں صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ ریاستوں میں گڑبڑ کیوں کی جا رہی ہے؟ حیدر آباد میں آریہ سماج اور ہندو سبھا کی ساری طاقت کیوں صرف کی جا رہی ہے۔ میں کانگریس سے پوچھتا ہوں کہ وہ کشمیر میں کیا کر رہی ہے؟ آریہ سماجی، مہاسبھائی، کانگریسی قوم پرست، اخبارات، کانگریسی اخبارات، کشمیر کے معاملات پر کیوں خاموش ہیں؟ اس لئے کہ وہ ایک ہندو ریاست ہے اس لئے کہ ریاست کشمیر کی رعایا میں مسلمانوں کی اکثریت ہے میں ہر شخص سے اپیل کرتا ہوں کہ مسلم لیگ میں شامل ہو جایئے یہ آپ کی جماعت ہے، یہ کسی کی ملکیت نہیں ہے یہ آپ کی اپنی تنظیم ہے اور جس راہ پر چلانا چاہیں چلا سکتے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں کافی بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ یہ آغاز بلاشبہ عظیم الشان ہے۔ اب اگر آپ اپنی ہمت سے کام لے کر اپنے آپ کو ایک منظم فوج کی طرح آراستہ کر لیں تو یقین کیجئے کہ فتح آپ کے قدم چومے گی" ـــــ

مسلمانوں نے قائداعظمؒ کی اس آواز پر صدق دل سے لبیک کہی اور متحد ہو گئے۔ وہ واقعی ایک جری فوج کی طرح منظم ہو گئے اور جلد ہی اس کا ثبوت بھی فراہم کر دیا۔ ۲۰ر فروری ۱۹۴۰ء کو دہلی میں مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس منعقد ہوا تو آپ نے فرمایا۔ "لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ہمارا مطمع نظر کیا ہے؟ بات بالکل صاف ہے، برطانیہ ہندوستان پر حکومت کرنا چاہتا ہے۔ مسٹر گاندھی اور کانگریس، مسلمانوں اور ہندوستان دونوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم نہ برطانیہ کو مسلمانوں پر حکومت کرنے دیں گے، نہ مسٹر گاندھی اور کانگریس کو کرنے دیں گے۔ ہم ان دونوں کے اثر سے آزاد ہونا چاہتے ہیں" ـــــ

یہ واضح اشارہ تھا کہ مسلمانوں کا مطمع نظر اور منزل ایک الگ خطہ، زمین ہے۔ جس میں وہ آزادانہ زندگی بسر کر سکیں۔ اس کے باوجود ابھی تک انگریز کے استعماریت پسندانہ اقدامات اور ہندو بنیا مسلمانوں کے مطالبے کے متعلق گومگو کی حالت میں تھا۔ لیکن ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلم لیگ کے اجلاس میں بات کھل کر سامنے آ گئی اور جب اس میں ایک قرار داد متفقہ طور پر منظور ہوئی تو حکومت اور ہندو کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کا نصب العین پاکستان ہے۔ اس اجلاس کے بعد آپ نے مطلوب سید سے جو اس اجلاس میں موجود تھے، فرمایا "اس وقت اقبالؒ ہم میں موجود نہیں ہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ معلوم کر کے یقیناً مسرور ہوتے کہ ہم نے وہ کچھ کر دکھایا ہے جس کی انہوں نے ہم سے توقع کی تھی" ـــــ

ہندو اخبارات نے جلی سرخیوں کے ساتھ اس قرار داد کا متن شائع کیا اور اسے "قرار داد پاکستان" کے نام سے موسوم کیا۔ ۱۹۴۰ء میں قائداعظمؒ نے فرمایا "اب دنیا کی کوئی طاقت پاکستان کی تشکیل کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی"

۲۵ر دسمبر ۱۹۴۰ء کو قائداعظمؒ کی ۶۴ویں سالگرہ تھی۔ اس موقع پر مختلف ہندو مسلم اور انگریز زعماء نے آپ کو مبارک باد کے پیغامات ارسال کئے۔ انہی میں اچھوتوں کے لیڈر راؤ بہادر ایم سی راجہ بھی تھے۔ آپ نے اپنے پیغام میں لکھا۔ "تمام مذاہب اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ وقتاً فوقتاً اور نازک ترین موقعوں پر موزوں انسانوں کو دنیا میں بھیجتا رہتا ہے جن کے ہاتھوں اس کی مشیت پوری ہوتی ہے۔ میری رائے میں مسٹر جناح ایک ایسی ہستی ہیں جنہیں اس غرض کے لئے پیدا کیا گیا ہے کہ ان گمراہیوں کی اصلاح کریں جن میں کانگریس کی رہنمائی میں ہندوستانیوں کو مبتلا کر دیا ہے۔"

"ایسے حالات میں ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی۔ جو کانگریس کے مقابلے میں کھڑا ہو کر اسے بتاتا کہ ان کی جماعت اکثریت اور مالیت کے لحاظ سے خواہ کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو سارے ہندوستان کی نمائندہ نہیں ہے۔ میں مسٹر جناح کی تعریف کرتا ہوں انہوں نے ان تمام جماعتوں کے دعاوی کی حمایت کی ہے جنہیں اس ہندو اکثریت کی طرف سے اپنی تباہی کا خطرہ درپیش ہے جو گاندھی کے احکام پر عمل کر رہی ہے۔"

کانگریس کو اپنی اکثریت اور طاقت کا اتنا گھمنڈ تھا کہ وہ مسلمانوں اور چھوٹی اقلیتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دنیا نے جواہر لعل نہرو کو یہ کہتے سنا کہ برطانوی حکومت اور کانگریس کے سوا برصغیر میں کسی تیسری جماعت کا وجود نہیں اور کانگریس کا ایک معمولی رضا کار ہزاروں جناحوں سے برتر ہے۔ لیکن چند ہی سال بعد اسی دنیا نے یہ دیکھا کہ نہرو گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈر قائداعظمؒ کے در دولت پر دستک دے رہے تھے۔ یہ سب کچھ اسلام کے اس بطل جلیل کے یقین محکم اور ایمان کا نتیجہ تھا۔

"قرار داد پاکستان" کے بعد قائداعظمؒ کا مطمع نظر صرف یہی تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" کی آخری منزل پاکستان ہے۔ اب ان تقریروں، تحریروں، ملاقاتوں کا مقصد پاکستان کا قیام تھا اور بس" ——

(نقوش، قائداعظمؒ —— مرتبہ پروفیسر رحیم بخش شاہین
قائداعظمؒ —— مضمون سراج نظامی مرحوم صفحہ نمبر ۶ - ۷)

یہ تھی حضرت قائداعظمؒ کی شان، آن اور ایقان، یہ تھا ان کا اعجاز قیادت و سیادت کہ پورے برصغیر میں کوئی بھی ایسا لیڈر نہیں تھا جو اس قدر واضح واضح، صاف صاف، ظاہر و باطن میں یکتا —— حضرت قائداعظمؒ کے مقابلے میں گاندھی کا حقیقت پسندانہ سیاسی اور تاریخی تجزیہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ بین الاقوامی سطح پر جتنا گاندھی کا امیج بحیثیت ایک عظیم لیڈر اچھالا گیا، اتنی حضرت قائداعظمؒ پر توجہ نہ دی گئی، ہندوستان کی فلم "گاندھی" دیکھنے کے بعد جو عمومی تاثر پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ گاندھی جی کو برصغیر کی تقسیم کا محور اور مرکز دکھایا گیا اور حضرت قائداعظمؒ کی بحیثیت ان کے سیاسی کردار و عمل، ان کی بے مثال قیادت اور بھرپور قومی اور بین الاقوامی امیج کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ لمہ فکریہ یہ ہے کہ ہم نے آج تک اس عظیم قائدؒ کی روح کو پہچانا ہے اور نہ پہچاننے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان کے مقابلے میں حضرت قائداعظمؒ کے بھرپور سیاسی اور مثبت کردار پر ایک عظیم الشان فلم بنائی جانی چاہئے تھی جو بین الاقوامی سطح پر پورے برصغیر کی تقسیم کے اصل حقائق کو واضح کر سکتی۔ لیکن شوئے قسمت ہماری قوم کے اداروں اور قومی اور حکومتی اداروں، متمول افراد قوم کی ترجیحات کیا ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب کچھ واضح ہے، قیام پاکستان کے بعد استحکام پاکستان کا فریضہ غیروں نے تو نہیں ادا کرنا، بہرحال یہ مسلمانان پاکستان کا فرض ہے۔ کاش کہ وہ اس عظیم مقصد کی پہچان پیدا کریں۔ جو کام اور جتنا کام حضرت قائداعظمؒ کی پروقار زندگی، ان کی ولولہ انگیز قیادت ان کی خداداد صلاحیتوں پر کتب اور مواد چھپنا چاہئے تھا، کچھ بھی نہیں ہو رہا، اپنے ہی سیاسی اور قومی حالات و واقعات کے گرداب سے نہیں نکل پا رہے تو پاکستان کی تعمیر و استحکام کس طرح ممکن بنا سکتے ہیں ——

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کون جیتا کون ہارا

ظہیر الاسلام فاروقی ایڈووکیٹ (مرحوم) (تحریک پاکستان گولڈ میڈلسٹ) نے اپنی کتاب میں گاندھی اور حضرت قائداعظمؒ کی خط و کتابت کا ذکر یوں کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ کون کہاں کھڑا ہے۔

مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ نے کانگریسیوں میں ایک ہل چل مچا دی، لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے مسلمان کانگریسیوں پر بھروسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کلکتہ میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا جو اجلاس ہوا اس کے متعلق پنڈت جواہر لال نہرو نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگریس کو مسلمانوں کا بہت زیادہ اعتماد حاصل ہے۔ لیکن اندرونی طور پر کانگریسی اپنی ناکامی کا اعتراف کر رہے تھے۔ اس موقع پر گاندھی جی پھر مہاتمائی کا روپ دھار کر آگے آئے اور قائداعظم کو لکھا۔ "لکھنؤ میں جو آپ نے تقریر کی ہے۔ وہ شروع سے لے کر آخر تک ایک اعلان جنگ ہے۔ میرا خیال تھا کہ دونوں جماعتیں مجھے ایک واسطہ خیال کریں گی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ تجویز پسند نہیں، جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ نزاع میں فریقین ہوتے ہیں۔ اگر میں آپ میں صلح نہ بھی کرا سکوں تو پھر مجھے فریق نہ بنائیں گے۔

۱۵ر نومبر ۱۹۳۷ء کو قائداعظمؒ نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا۔

"مجھے تعجب اور افسوس ہے۔ کہ میری لکھنؤ والی تقریر کو آپ اعلان جنگ سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی مدافعانہ تقریر تھی۔ ازرہ کرم آپ اسے دوبارہ پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ افسوس ہے کہ گزشتہ ایک سال میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں۔ ان پر آپ کی نظر نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ یہ درست ہے کہ آپ کانگریس کے ابتدائی رکن بھی نہیں ہیں تاہم اس سے انکار مشکل ہے کہ کانگریس کی قیادت آپ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ آپ نے جو مکتوب تحریر کیا ہے اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن مجھے معاف کیا جائے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس میں کوئی مفید اور ٹھوس عملی تجویز نہیں ہے۔

اس کے تین ماہ بعد گاندھی جی نے قائداعظم کو لکھا۔۔۔

آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے کہ آپ کی تقریر اعلان جنگ نہیں۔ لیکن آپ کے بعد کے بیانات میرے پہلے خیالات کی تصدیق کرتے ہیں۔ آپ کی تقریر میں "پرانا نیشنلسٹ" نظرانداز ہو گیا تھا۔ جب میں ۱۹۱۵ء میں جنوبی افریقہ سے واپس آیا۔ تو آپ ایک سرگرم نیشنلسٹ تھے۔ ہر ایک آپ کو نیشنلسٹ ہی سمجھتا تھا۔ اور آپ ہندو اور مسلمانوں کی ایک امید تھے۔ کیا آپ وہی مسٹر جناح ہیں۔" اگر آپ اپنی تقریر کے باوجود بھی جناح ہیں۔ تو میں آپ کے الفاظ کو قبول کرتا ہوں۔۔۔

اس خط کے موصول ہونے کے بارہ دن بعد قائداعظمؒ نے جواب دیا۔ "آپ نے لکھا ہے کہ میری تقریر سے "قدیمی نیشنلسٹ" کے جذبات مفقود ہیں کیا آپ اپنے آپ کو ایسا کہنے میں حق بجانب خیال کرتے ہیں۔ میں کبھی یہ نہیں سوچتا، کہ لوگ ۱۹۱۵ء میں آپ کو کیا کہتے تھے۔ اور آج آپ کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں۔ نیشنلزم" کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور ان ایام میں اس کی وضاحت بہت مشکل ہے۔ لیکن میں آئندہ مزید ایسے طریق خط و کتابت کو پسند نہیں کرتا۔"

(مقصد پاکستان۔ مصنفہ ظہیر الاسلام فاروقی، صفحہ نمبر ۲۵۰ - ۲۵۲)

میں نے پہلے صفحات میں کتاب "مہاتما گاندھی اینڈ سٹرگل فار سوراج" کے مصنفین سین گپتا اور جی چوہدری کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں اس بات کی وضاحت کی تھی کہ مہاتما گاندھی یورپ اور انگلینڈ، جہاں جہاں گئے۔ انہوں نے انگریزوں کو اپنا نجات دہندہ، ہمدرد، گارڈین اور کسٹوڈین تصور کیا اور ان کی عالی ظرفی اور ان کے ساتھ محبت کا بھرپور اظہار کیا۔ لیکن ہمیں ایسی بات اپنے قائداعظمؒ میں کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ کہ انہوں نے بے محل اور بے معنی بات یا بیان دیا ہو۔ اور پھر بعد میں اس کے عین برعکس عمل درآمد کیا ہو۔ بہرکیف گاندھی کے اس طرح کی شش جہتی شخصیت کے نمایاں آثار برصغیر کی تاریخ میں خاصے بکھرے پڑے ہیں۔ مگر اس کے باوصف ہندو دھرم کے پجاریوں اور ان کے ہمنواؤں نے انہیں سر پر اٹھائے رکھا اور بین الاقوامی سطح پر اس قدر پروپیگنڈہ کیا کہ گاندھی کے بارے میں اصل حقائق تاریخ میں رقم نہ کئے جا سکے۔

چنانچہ برصغیر میں جب گاندھی نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک چلائی تو وہی گاندھی پھر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور انگریز دشمنی میں سب سے آگے۔ جناب ظہیر الاسلام فاروقی تحریر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں۔

کانگریس کا ردعمل

اتحادیوں کی ان مسلسل شکستوں سے کانگریسیوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنا شروع ہو گئے، کیونکہ اب برطانیہ کے عروج کو گہن لگ رہا تھا۔ بہت سے کانگریسی لیڈروں کو گمان تھا کہ جاپان ہندوستان کو آزادی دلانے آ رہا ہے۔ ہندوؤں کی یہ خوش فہمیاں اور جاپان سے ہمدردیاں ناقابل فہم نہیں تھیں۔ کیونکہ ملایا کے ہندو فوجی اسیروں نے جاپان کے زیر ہدایت آزاد ہند کے نام سے اپنی فوج منظم کر لی تھی۔ جس کا کمانڈر ان چیف سبھاش چندر بوس تھا اور اس کو تشہیر دی جا رہی تھی کہ جاپان کی رہنمائی میں آزاد ہند فوج "مادرِ ہند" کو آزادی سے ہمکنار کرے گی۔

گوئبلز نے اپنی ڈائری مورخہ ۵ر مارچ ۱۹۴۲ء میں لکھا ہے۔

"بوس، ہندوستان کی Resistance برلن میں بیٹھ کر رہا ہے۔ لندن کو ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں روپوش ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اب تک اس راز کو ظاہر نہیں کیا، میری کوشش یہ ہے کہ وہ اسی طرح چھپا رہے۔ ہٹلر سے اس کی ملاقات کے بعد اسے ظاہر کیا جائے گا"۔۔۔۔

(Quit India By P.Lockner-P-135)

اس پس منظر میں ۱۱ر مارچ ۱۹۴۲ء کو چرچل نے دارالعوام میں اعلان کیا کہ ہندوستان میں وزارت جنگ کا مشن جائے گا جو وہاں کے قومی لیڈروں سے مل کر معلوم کرے گا کہ اس مایوسی اور تعطل کو ختم کرنے کے لئے کون سا قابل حل منصوبہ ہو سکتا ہے۔

عظیم اقدام

کرپس تجاویز کی ناکامی نے کانگریس کو پریشان اور مایوس کر دیا تھا اس نازک موقع پر مسٹر گاندھی نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھانی اور تمام ملک میں سول نافرمانی کا پروگرام طے کیا تاکہ اس حربہ سے ایک ہی وار میں دو شکار ہو جائیں ایک طرف اپنے حسب منشا برطانوی حکومت سے سودا بازی کی جائے کہ وہ اپنے مطالبہ پاکستان سے دست بردار ہو جائے۔ کرپس کی ہندوستان سے فوراً واپسی کے بعد کانگریسی حلقوں سے ان سرگوشیوں کی سن گن آنے لگی کہ کانگریس ایک عظیم قدم اٹھانے والی ہے۔ یہ عظیم قدم ۱۴ر جولائی ۱۹۴۲ء کو یوں ظاہر کیا گیا کہ گاندھی نے کھلے الفاظ میں کہا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"ہندو مسلم اتحاد اور ان کے مسائل کا حل ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کے بعد ہو گا۔۔۔" انہوں نے مزید وضاحت کی کہ جب تک اجنبی حکومت کا خاتمہ اور ہندوستان کو مکمل آزادی حاصل نہیں ہو جاتی اس وقت تک وہ پاکستان اور فرقہ وارانہ سوال پر بحث مباحثہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔"

اس کے بعد تمام ملک میں "ہندوستان چھوڑ دو" کا نعرہ بلند ہو گیا۔ کانگریس پسند سرکار نے "قلم چھوڑ" سٹرائیک شروع کر دی۔ اس نے حکومت اور مسلم لیگ ہر دو کو خوف میں مبتلا کر دیا۔ لیکن قائداعظمؒ نے جون ۱۹۴۲ء کو بیان جاری کیا۔

"جب تک کانگریس فریب دہی اور جھوٹے پروپیگنڈے پر کاربند ہے۔ ہندوستان کی ترقی خطرے میں رہے گی۔ اس دھمکی کا مقصد یہ ہے کہ برطانیہ کو اس مشکل اور شکستہ حالت میں مجبور کیا جائے کہ وہ گاندھی کے مطالبہ کو تسلیم کرنے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ برطانیہ کی یہ فاش غلطی ہو گی اگر اس نے کسی ایسے انداز میں کانگریس کے آگے سر جھکایا جو مسلم انڈیا کے لئے نقصان دہ ہو۔۔۔"

"ہمیں علم نہیں کہ یہ عظیم اقدام کیا ہونے والا ہے، ہمیں اپنی معینہ منزل حصول پاکستان کے مقصد سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی"۔۔۔۔۔

(Two Nation Theory By Shafique Ali Khan. P-844)

مسٹر گاندھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اس جنگ میں جرمنی اور خصوصاً جاپان کی فتح یقینی ہے۔ ان کی رائے یہ تھی۔

"اگر جاپانی فوج کبھی ہندوستان میں داخل ہو بھی گئی تو وہ ہماری دشمن بن کر نہیں آئے گی۔ بلکہ حکومت برطانیہ کی دشمن کے طور پر آئے گی۔ اور اگر برطانیہ ہندوستان کو فوراً چھوڑ دے تو جاپان ہندوستان پر حملہ نہیں کرے گا"۔

(Two Nationa Theory: Shafique Ali Khan P-844

مولانا نے گاندھی کی سول نافرمانی کی مخالفت کی۔ اس سے گاندھی بہت پریشان ہوا۔ اور مولانا آزاد کو خط میں لکھا۔ "اگر کانگریس ان کو (گاندھی) اپنا رہنما چاہتی ہے تو آپ کو کانگریس سے استعفیٰ دے دینا چاہئے" بہرکیف بعد میں پٹیل نے دونوں میں صلح کرا دی۔۔۔۔۔

آخر کار ۱۴ر جولائی ۱۹۴۲ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے وہ مشہور قرار داد "ہندوستان چھوڑ دو" پاس کر دی اور ۸ر اگست ۱۹۴۲ء کو نافذ العمل ہو گئی۔

جب یہ قرار داد پاس ہو گئی تو مس میرابین کو کہا کہ وہ وائسرائے سے ملاقات کر کے اسے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرار داد کی نوعیت اور اس کے عواقب سے آگاہ کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن وائسرائے نے اس بنا پر ملنے سے انکار کر دیا کہ چونکہ گاندھی نے حکومت ہند کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا ہے اس لئے وہ کسی دباؤ کے تحت گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد کانگریس ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبران کو مع گاندھی گرفتار کر لیا گیا۔ اور باقی ماندہ عرصہ جنگ کے دوران احمد نگر کے قلعہ میں مقید رہے۔

بہرحال قرار داد پر پوری شد و مد کے ساتھ عمل شروع ہو گیا۔ اور تمام برصغیر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ حکومت نے اپنی پوری طاقت استعمال کی اور تمام آتش بغاوت کو ٹھنڈا کر دیا۔

تحریکِ سول نافرمانی اور اس کا انجام

یہ باغیانہ تحریک بُری طرح ناکام ہوئی بلکہ ذلت کے ساتھ گاندھی کے سب اندازے غلط نکلے۔ حکومت نے باوجود اس کے کہ عالمی جنگ کے محاذ پر اطمینان بخش صورتِ حال نہ تھی۔ کانگریس سے ازرہ تکلف بھی بات کرنا پسند نہ کیا کانگریس کے خود اپنے تخمینے کے مطابق اسے حسب ذیل نقصانات اٹھانے پڑے۔ ۶۰۲۲۹ افراد گرفتار ۱۸۰۰۰ اشخاص ڈیفنس آف انڈیا رولز کے تحت نظر بند ۹۴۰ پولیس یا فوج کے ہاتھوں ہلاک، فوج یا پولیس کی گولیوں سے زخمی افراد ۱۶۳۰، ۶۰ جگہوں پر فوج بلائی گئی۔ ۵۳۸ مواقع پر پولیس نے گولیاں چلائیں اور ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے ہوائی جہازوں کا استعمال ہوا۔

قائداعظمؒ کا ردِّ عمل

"ہندوستان چھوڑ دو" مورخہ ۳۱ر جولائی ۱۹۴۲ء کو قائداعظمؒ نے اس باغیانہ تحریک کو انگریز کی نسبت زیادہ تر مسلمانوں کے خلاف قرار دیا۔ گاندھی نے ستمبر ۳۹ء میں وائسرائے سے ملاقات کے دوران جنگ میں غیر مشروط امداد کی پیش کش کی یاد دہانی کرائی۔ اور پھر فوراً ہی بعد میں اپنے الفاظ سے پھر گیا اور ہندوستان کی آزادی کے فوری اعلان کئے جانے کا مطالبہ کر دیا۔ جب یہ مطالبہ ٹھکرا دیا گیا تو کانگریسی وزارت کو مستعفی ہونے کے لئے کہا گیا پھر انفرادی سیتہ گرہ کرنے کی مہم شروع کر دی جس میں ہزاروں افراد کو گرفتار کر لیا گیا اور آخر میں کرپس مشن کی ناکامی کے بعد اس نے علانیہ بغاوت کا راستہ ہموار کر لیا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں کسی پارٹی سے بھی مشورہ نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کہ چوٹی کے کانگریسی لیڈروں کی مخالفت کو بھی درخور اعتناء نہ سمجھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا۔

قائداعظمؒ نے فرمایا۔ "کانگریس ورکنگ کمیٹی کا یہ فیصلہ کہ اگر برٹش گورنمنٹ ہندوستان سے فوراً دستبردار نہیں ہوگی تو عوامی تحریک چلائی جائے گی۔ یہ گاندھی اور اس کی ہندو کانگریس کی پالیسی کا نقطہ عروج ہے کہ اس طرح برٹش گورنمنٹ کو مجبور کیا جائے کہ وہ اقتدار اس حکومت کے سپرد کر دے جو انگریزی تلوار کی سرپرستی (پناہ) میں ہندو راج قائم کر دے اور اس طرح مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو ہندو راج کے رحم و کرم پر چھوڑ دے ــــ"

برٹش گورنمنٹ نے ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر سختی کے ساتھ اس تحریک کو کچل کر رکھ دیا جس مایوسی، عجلت اور اختلافی مشوروں سے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک اور قرار داد کو معرض وجود میں لایا گیا تھا اتنی ہی شدت کے ساتھ کانگریس کی انانیت خاک بسر ہو گئی" ــــ

(مقصد پاکستان مصنفہ ظہیر الاسلام فاروقی صفحہ نمبر ۲۷۱ - ۲۷۴)

بیورلی نکلسن نے جن نظریات و خیالات کو پیش کیا ہے۔ اس سے حضرت قائداعظمؒ کی ایک انتہائی بلند و بالا اور قد آور شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ بیورلی نکلسن لکھتے ہیں۔"

اب جب کہ جناح اس دنیائے فانی میں نہ رہے، کیا ہو گا؟

دو صورتوں کا میرے خیال میں مسلمہ طور پر یقین کر لینا چاہئے

پہلا یہ کہ پاکستان پر اس کی مضبوط ہمسایہ حکومت شب و روز حملہ آور ہوگی۔ رشوت سے، دھمکیوں سے اور ممکن ہے غیر ممکن طریقے سے ہندوستان اس کی معاشی، اخلاقی اور اقتصادی بنیادیں ہلانے کی کوشش کرے گا۔ دوسری یہ کہ پاکستان ان تمام حملوں کا مقابلہ مردانہ وار کر سکے گا۔ اس نے دنیا کے نقشہ پر آنا ہی تھا۔ وہ دنیا کے نقشہ پر رہے گا۔ نہ صرف اس لئے کہ وہ جغرافیائی اعتبار سے ایک ملک کہلانے کا مستحق ہے۔ بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ پاکستان ایک قوم کا وطن ہے۔ اور قوم بھی دنیا کی بڑی قوم، اور اس ملک کو عالم وجود میں لانے والا شخص ایک روز اپنے حریفوں سے بھی خراج تحسین لئے بغیر نہیں رہ سکے گا اور اسے تاریخ عالم میں ایک بہت اونچی اور نمایاں جگہ دینی پڑے گی۔

مسٹر جناح کی وفات کے چند گھنٹے پہلے ہفتہ کو مجھے ان کا ایک مکتوب مورخہ ۳ ستمبر ملا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ۔

"آپ کو معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

لیکن اس خط میں ان کے دستخط اس قدر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے تھے کہ تقریباً سمجھ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں آتے تھے۔ یہ دستخط صاف و خوشخط اور ان دستخطوں سے قطعی مختلف تھے جو انہوں نے ۱۹۴۰ء میں اس مسودہ پر کئے تھے کہ جس میں میرے کہنے پر پہلی مرتبہ انہوں نے پاکستان کے معاشرتی اور اخلاقی اصولوں کو واضح کیا تھا۔۔۔۔

اس وقت مجھے خیال آیا تھا کہ یہ شخص کب تک زندہ رہے گا اور اس کے بعد کیا ہو گا؟ وہ ایک مشرقی غیر معمولی، قابل ہستی تھے۔ سیول رو کے سلے ہوئے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ ان کا دماغ اس قدر تیز اور زود فہم تھا کہ جتنا گاندھی کا، مگر اس وقت جب کہ بمبئی کی تیز گرمی میں گاندھی نے سوت کی لنگوٹی پہنی، وہ بہترین سوٹ پہنے رہتے۔ ان کا کالر سفید اور سخت ہوتا، اور ان کی ایک شیشے والی عینک، ان کے واسکٹ کی جیب پر چمکتی ہوتی اور مقابلتاً دونوں آدمیوں میں وہ زیادہ صابر اور سرد مزاج معلوم ہوتے۔ ان کی مالا بار ہل کی کوٹھی میں جو بمبئی کی سب سے زیادہ ٹھنڈی جگہ ہے۔ ملاقات کرنا حقیقت میں مشرق سے مغرب کی فضا میں پہنچ جانا تھا کوٹھی کے اندر جانے والی سڑک پر دونوں طرف یورپی پھولوں کی قطاریں تھیں۔ ہال میں اوک کی پرانی لکڑی کا سامان تھا ان کے مطالعے کے کمرے میں میز پر ایک چاندی کے ڈبہ میں انگریزی ہاضم بسکٹ رکھے ہوئے تھے۔ اور ٹائمز کا تازہ پرچہ کھلا پڑا تھا۔ کمرہ کی الماریاں ایسی عمدہ اور مخصوص کتابوں سے پر تھیں کہ جو ایک انگریز لارڈ چانسلر کے کتب خانہ کو بھی شرماتی تھیں۔۔۔۔

انہیں الماریوں میں سے ایک روز انہوں نے ایک کتاب "جان برائٹ کی تقریریں" جس میں اس بڑے مقرر نے نوے سال پہلے ایک تقریر کرتے ہوئے دارالعوام میں یہ کہہ کر ہلچل مچا دی تھی کہ "کیا کوئی شخص جو ایک شمہ بھر بھی عقل و دانش رکھتا ہے یقین کر سکتا ہے کہ ہندوستان جو چالیس قوموں پر مشتمل ہے اور جس میں چالیس مختلف زبانیں رائج ہیں۔ ایک ملک بن کر ایک سلطنت میں شامل ہو سکتا ہے۔ میں اس چیز کو قطعی غیر ممکن سمجھتا ہوں۔۔۔۔

مسٹر جناح بھی اسے غیر ممکن خیال کرتے تھے، انہوں نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا، "برائٹ نے جو اتنے عرصے پہلے کہا تھا وہ اب اور بھی زیادہ صحیح ہوتا جا رہا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ زور چالیس مختلف قوموں پر نہیں دیا جا رہا ہے۔ بلکہ دو مختلف قوموں پر، ہندو اور مسلمان، انہوں نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا "زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو ہم دونوں کو وابستہ کر سکتا ہو ہم دونوں قطعی مختلف انسان ہیں"۔۔۔۔

کیا میں اخبارات میں آپ کے اس نظریہ کو شائع کر سکتا ہوں، میں نے پوچھا۔ "یہ آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کی اشاعت کریں، ہمارے نام، ہمارا لباس، ہمارا کھانا یہ سب مختلف ہیں، ہماری معاشری زندگی، ہمارے تعلیمی خیالات، ہمارا عورتوں سے سلوک، ان سب باتوں پر ہم ایک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے بالکل متضاد ہیں۔ اور زندگی کے قطب نما کے ہر پہلو پر ہم ایک دوسرے کو چیلنج کرتے ہیں" ـــــ

یہ مسٹر جناح کا وہ مستحکم نظریہ تھا جو تاریخ عالم میں ایک ضروری جزو سمجھا جائے گا۔ اس نظریہ کو چار لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کا وجود نہیں ہے۔ اس کا وجود کبھی نہیں تھا، کبھی نہیں ہو گا، یہ انگریزوں کا تیار کردہ ایک کھیل تھا اور جب ہی تک یہ رہے گا، جب تک انگریز رہیں گے۔

یہ کھرا نظریہ بہت سے لوگوں کو برا لگا۔ انگریز لبرل اس لئے ناراض ہو گئے کہ انہوں نے زندگی کا بہتر حصہ ان دونوں قوموں کو ایک کرنے کے لئے (چاہے کاغذ پر ہی ہو) صرف کیا تھا، ہندو نے پہلے سے بھی زیادہ حقارت سے نظر ڈالی ـــــ

گاندھی کے چیلوں میں سے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ لوگوں کا یہ خیال ضرور تھا کہ وہ مذہبی تناؤ کو نرم کریں اور وہ اس مذہبی پاگل پن پر افسوس کرتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ صورت ایسی نکل آئے کہ جس سے ان دونوں قوموں میں تعاون کی صورت پیدا ہو جائے، اور وہ اس میں برابر کوشاں تھے۔ مگر جناح ان سے کوئی تعاون نہیں کرنا چاہتے تھے، کیا ہندو، ان کا کہنا تھا، مسلمانوں سے تعداد میں تین گنا نہیں ہیں؟ کیا ان کے پاس کہیں زیادہ دولت، کہیں زیادہ زمین اور کہیں زیادہ تجارتی دماغ نہیں ہے؟ کیا یہ واضح نہیں ہے کہ اگر انہوں نے، ایک ہندوستان کے نظریہ کو منوالیا تو وہ بہت جلد ہی حکومت پر قابض ہو جائیں گے۔ اور اس قیمتی سرزمین پر اپنی واحد حکومت کے لئے مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش نہیں کریں گے اور ان کو نیست و نابود کرنا چاہیں گے؟ کم از کم اس کا جواب لفظ ممکن میں ہو سکتا تھا۔ مسٹر جناح نے وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ جو مسلمان اقلیتوں پر ہندو مجارٹی راج میں ہوا، وہ ہندو نظریئے جو انہوں نے گاندھی کی درویشانہ شکل کے پیچھے ہر وقت مسلم اقلیت کی طرف بھیانک صورت میں دیکھتے ہوئے اندازہ کئے تھے" ـــــ

(مقصد پاکستان مصنفہ ظہیر الاسلام فاروقی صفحہ نمبر ۳۶۵ - ۳۶۴)

جناب پروفیسر منور مرزا تحریر کرتے ہیں۔ "حضرت قائداعظمؒ کو خدائے وحدہ لاشریک نے بچپن سے ہی کچھ اہم ذمہ داریوں اور فرائض کی تکمیل کے لئے پروان چڑھایا تھا۔ جی الانہ صاحب اپنی کتاب (قائداعظم..... ایک ملت کی داستان) میں لکھتے ہیں۔ کہ قائداعظمؒ کا گھرانہ کوئی مذہبی گھرانہ نہیں تھا، وہ سیدھے سادھے مسلمان لوگ تھے، بھولے بھالے عقائد کے مالک بزرگوں کی مری مٹی پر حاضری دینے والے لوگ تھے، اور قائداعظمؒ کی پرائمری تعلیم بھی ایک اسلامی مدرسے سے ہوئی" ـــــ جب آپ انگلستان میں بیرسٹری کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہوں نے لنکنزان جیسے ادارے کو اپنی تعلیم و تربیت کے لئے اس لئے پسند کیا کہ اس ادارے کی یوڑھی والی کوس پر عالم انسانیت کو آئین و دستور سے نوازنے والوں کے جو نام درج تھے۔ ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک بھی درج تھا۔۔۔۔۔

حضرت قائداعظمؒ کو آغاز کار میں کوئی غیر معمولی ملازمت بھی حاصل نہ ہوئی تھی۔ ان کے گھریلو ماحول میں کوئی بلند و بالا علمی، دینی اور سیاسی شخصیت کی مثال بھی نہیں تھی۔ ان کی تعلیم و تدریس کے دوران بھی کسی بڑی ہستی کا کردار شامل نہیں تھا۔ انہوں نے دیانت و امانت کے فطری اصولوں کے لئے کبھی بھی بزرگانِ دین سے براہ راست روشنی حاصل نہ کی تھی۔ لیکن اس کے باوصف ان کا رخ سیدھا بلکہ تیرِ قضا کی طرف سیدھا رہا اور وہ بلندیوں کی طرف مائل پرواز ہے"

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا!!

جب مانٹیگو چیمسفورڈ سکیم کے ضمن میں وزیر ہند مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے تو انہوں نے ہندوستان کے اونچے اور چوٹی کے سیاست دانوں سے ملاقات کی۔ جن میں تلک، گوکھلے، دادا بھائی نوروجی اور محمد علی جناح شامل تھے۔ مسٹر مانٹیگو نے اپنی ڈائری میں محمد علی جناح کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کچھ اس طرح سے کیا ہے۔ "ایک صاف ستھرا، انتہائی سلیقہ مند نوجوان، جس کی چال ڈھال دل پر اثر انداز ہوتی ہے۔۔۔ منطقیانہ گفتگو کا ماہر، اپنی بات کو ٹھیک طور پر منوانے کا حوصلہ دار، وہ اپنی رائے میں کسی ترمیم کا روادار نہ تھا۔ اگر ان کی پوری اور مکمل بات تسلیم نہ کی جائے۔ تو آدھی بات منوانے کے لئے کبھی راضی نہ ہوتے تھے۔ میں نے ان سے باتیں کیں، ان سے شکست کھا گیا۔ جب لارڈ چیمسفورڈ نے ان سے گفتگو کی۔ تو جناح کی قوت استدلال نے انہیں لاجواب کر دیا۔ وہ ایک انتہائی ذہین شخصیت ہے جناح جیسے انسان کو نظام حکومت میں شامل نہ کرنا اس سے بڑی حقوق کی پامالی اور کیا ہو سکتی ہے۔"

حضرت قائداعظمؒ کو خدا تعالیٰ نے ایک وسیع قلب عطا کیا تھا۔ اور ان کی شخصیت کو انسانی سیرت و کردار کا دائمی نمونہ عمل بنایا۔ جن کا صحیفہ حیات اور اس کے تمام حصے ہماری نظروں کے سامنے ہیں۔ حضرت قائداعظمؒ کی زندگی کا کوئی واقعہ پردہ راز میں نہیں۔ ان کی سوانح اور حالات زندگی روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہیں۔ ان کی چال ڈھال کھری، بات چیت کھری۔ صلح صفائی کھرا اور ان کی سیادت و قیادت کھری۔ انداز گفتگو نکھرا نکھرا اور طرز تخاطب بے عیب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

—— ہیرا پھیری، مکر و فریب، سیاسی جمناسٹک، دوغلی پالیسی، ظاہر و باطن کی جنگ. ان کی شخصیت میں شامل ہی نہیں تھی۔ انہیں تو اپنے مشن کے ساتھ سچا اور پکا لگاؤ تھا اور مسلمانان ہند کی فلاح و بہبود اور آزادی و خود مختاری کے ساتھ عشق۔

سر آغا خان اپنی خود نوشت سرگزشت میں لکھتے ہیں "مجھے اپنی زندگی میں جن ممتاز سیاسی مدبرین کو اچھی طرح سے جاننے کا موقع ملا۔ ان میں کلے منبیشیو، لائڈ جارج، چرچل، کرزن مسولینی اور مہاتما گاندھی شامل ہیں۔ ان میں جناح سب سے زیادہ منفرد اور نمایاں تھے۔ ان میں سے کوئی مضبوطی کردار میں جناح کا ہم پلہ نہیں تھا۔ دراصل جناح میں وقت نظر اور عزم و استقامت کے اوصاف بدرجہ اتم ہم آہنگ تھے۔ اور یہی حقیقی سیاست ہے" ——

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

حضرت قائداعظمؒ برصغیر میں ایک نہ ٹلنے والا پہاڑ تھے۔ ہندو اور انگریز کے لئے استقامت و استقلال کا بحر بیکراں تھے۔ روحانی قوت و استعداد سے علو، ایک نحیف و نزار، مگر پاکیزہ فکر اور پاکیزہ روح والا انسان۔ جنہوں نے اپنی قوم کو ہمیشہ زندہ روح بیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ بیسویں صدی کے جتنے بھی قائدین قرطاس سیاست پر ابھرے ہیں۔ ان تمام میں حضرت قائداعظمؒ کی مثال بے مثال ہے۔ ان کی قدر و منزلت بے پایاں ہے۔ تاریخ میں ایسے قائدین کم ہی پیدا ہوتے ہیں۔

وہ قائداعظمؒ جن کے بارے میں ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے وقت یہ کہا تھا کہ "برطانوی حکومت کا منشا یہ تھا کہ ہندوستان متحد رہے۔ لیکن ایسا صرف قائداعظمؒ کی وجہ سے نہ ہو سکا۔ انہوں نے اپنے انٹرویو میں کہا ہے۔

• "مجھے صرف اس مقصد کے لئے ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ کہ میں اس ملک کو کسی نہ کسی طریق سے متحد رکھوں اور متحدہ ہندوستان ہی کو اقتدار منتقل کروں، ہم دو سال کے بعد اس عظیم ملک کو چھوڑ رہے تھے اگر ہم اسے متحدہ ہند کی صورت میں چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ اٹیلی گورنمنٹ کا تاریخی معرکہ ہوتا، ہندوستان کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا میرے نزدیک ایک الم انگیز حادثہ تھا۔ جس سے اس متحدہ ملک کی قوت پارہ پارہ ہو گئی تھی۔ میں نے اس مقصد کے لئے بھرپور کوشش کی۔ دن رات ایک کر دیئے، راتوں کی نیند حرام کر دی۔ لیکن میرے اس مقصد کی راہ میں ایک ہی شخص حائل تھا۔ جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا تھا، جو چٹان کی طرح میرے مقصد میں سدراہ تھا۔ اور وہ تھا "قائداعظم"۔ مسٹر محمد علی جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ" —— ماؤنٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیٹن نے محض اس خیال سے کہ "میں اب عمر کے آخری دور میں داخل ہو گیا ہوں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اس عمر میں غلط بات نہ کہوں گا۔" قائداعظمؒ کے بارے میں کہا۔

"میں تمام سیاسی زندگی میں جس شخص سے سب سے زیادہ متاثر ہوا، وہ مسٹر محمد علی جناح کی ذات اور شخصیت تھی۔ اس میں میں نے منافقت کا شائبہ تک نہ دیکھا، اتنا بلند کردار انسان اور قوی لیڈر شائد ہی مسلمانوں کو دوبارہ ملے" ـــــ

(ملت کا پاسبان۔ مصنفہ پروفیسر کرم حیدری دیباچہ)

تحریک پاکستان کے ابواب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گاندھی اور نہرو آخری وقت تک تقسیم ہند کے سخت مخالفین میں سے تھے۔ اور ان کی دیرینہ خواہش بھی یہی تھی۔ کہ حکومت جس طرح کی ہے۔ جیسی ہے، انگریز انہیں عطا کر جائے۔ سردار پٹیل نے گاندھی سے کئی مرتبہ کہا۔ کہ "مہاتما جی! یہ تقسیم ہو کر رہے گی، بے سود ٹکریں نہ مارو، اس لئے کہ مسلمانوں کو ایک ایسا عظیم قائد میسر آ گیا ہے جو انتہائی قابل ہے اور ناقابل خرید بھی" ـــــ یہ قائداعظمؒ کے کردار کا رعب اور دبدبہ تھا کہ انہوں نے کئی مرتبہ پٹیل اور نہرو کو (Incorrigible) "ناقابل درست" کہا۔ ان میں صاف بات کہنے کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ نیت اور ارادہ درست ہو تو خدا تعالیٰ برکت بھی دیتا ہے۔

جب حضرت قائداعظمؒ نے ۱۹۴۶ء میں راست اقدام کا فیصلہ صادر فرمایا تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کانگریسی اخبار "بلٹز" نے یوں لکھا تھا کہ "مسلم لیگ کے بدترین دشمن بھی مسٹر جناح کی لیڈر شپ کو رشک کی نگاہوں سے دیکھنے پر مجبور ہوں گے، لیگ نے پچھلے ہفتے جو عظیم انقلابی فیصلہ کیا ہے اس سے ہمارے دلوں میں بے ساختہ یہ آرزو ابھرتی ہے کہ کاش! انڈین نیشنل کانگریس میں جناح جیسے مسلم الثبوت تدبر کا ماہر کوئی اور لیڈر ہوتا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسٹر جناح کے فیصلے نے انگریز اور کانگریس دونوں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے اور اس عامیہ الزام کی دھجیاں بکھیر دی تھیں کہ مسلم لیگ برطانوی استعمار کی پروردہ جماعت ہے۔"

ایک ہندو لیڈر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ "یہ دیکھ کر دل میں مسرت کی ایک لہر دوڑ اٹھتی ہے کہ ہندوستان میں مسٹر جناح کی قامت اور دیانت کا کم از کم ایک لیڈر تو ایسا تھا جس میں اس قدر شرافت و صداقت اور بے باکی تھی کہ اس نے انگریز وائسرائے کے منہ پر کہہ دیا کہ وہ اسے کیا سمجھتا ہے جب کہ باقی ہندو ساتھی لیڈر جن میں کانگریسی ہائی کمان کے لیڈر بھی شامل تھے، وائسرائے کو بہترین انگلش جنٹلمین اور بہترین عیسائی جنٹلمین جیسے خطابات سے نواز کر اس کی چاپلوسی کر رہے تھے ـــــ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تعریف کا پس منظر یہ تھا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لنلتھگو جو اپنے رعب و دبدبہ کے لئے مشہور تھے، انہوں نے کونسل مقرر کی اور اس میں مسلم لیگی وزراء، مولوی فضل الحق اور سر سکندر حیات خان کو بھی شامل کر لیا، قائداعظمؒ نے وار کونسل کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور ان دونوں حضرات سے کہا کہ وہ کونسل سے مستعفی ہو جائیں۔ جب وائسرائے کو اس کا علم ہوا تو اس نے قائداعظمؒ کو ملاقات کے لئے بلا بھیجا۔ ملاقات کے لئے ۱۱ بجے صبح کا وقت مقرر تھا۔ لیکن قائداعظمؒ ٹیلی فون پر بار بار یاد دھانی کے باوجود سوا گیارہ بجے سے پہلے وائسریگل لاج نہ پہنچے۔ وہاں جا کر بغیر کسی معذرت کے وائسرائے سے ملاقات کا مقصد پوچھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو میرے بیان سے کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ قائداعظمؒ نے اس کے جواب میں کیا کہا۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ اور وائسرائے سے یہ کہتے ہوئے کہ "مجھے آپ کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں" اور کمرے سے باہر چلے گئے"

(حسن کردار کا نقش تابندہ۔ مصنفہ غلام احمد پرویز، صفحہ نمبر ۲۸)

ایچ وی ھوڈسن، جس نے "گریٹ ڈیوائڈ" The Great Divide نامی کتاب اس لئے لکھی تھی کہ وہ ماؤنٹ بیٹن کے کردار کو اجاگر کرنا چاہتا تھا، اپنی اس تصنیف میں قائداعظم کے خلاف اپنے تعصب کو چھپانے میں ناکام رہا، لیکن اس کے باوجود وہ قائداعظمؒ کے بارے میں لکھتا ہے۔ "ہندوستان کے آزادی کے نئے جنم کے آخری ڈرامہ میں تمام شخصیتوں سے زیادہ پراسرار اور اہم شخصیت محمد علی جناح کی ہے، انسان اس ڈرامے کو بڑے کرداروں میں (گاندھی کو شمار کئے بغیر جو سٹیج کے بازوؤں سے صرف دھماکہ خیز اور نامکمل انداز میں آتا ہے) پھر کردار کی جگہ کسی دوسرے کردار مثلاً کسی مختلف کانگریسی رہنما کا کسی دوسرے بڑے صوبہ یا بڑی ریاست کا فلاں یا فلاں مفاد یا فرقے کے کسی اور نمائندے بلکہ کسی دوسرے وائسرائے کا بھی بغیر اس خیال کے کہ اس سے آخری صورت حال میں کوئی شدید فرق پڑ سکتا ہے۔ تصور کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات مشکل سے تصور میں لائی جا سکتی ہے کہ واقعات میں کوئی اہم تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ یا آخری معرکہ تین کی دو ھم پلہ حریفوں میں ہوتا۔ یا پاکستان کی نئی ریاست کی تخلیق ہو سکتی۔ اگر مسٹر جناح کی شخصیت اور سیاسی رہنمائی کا قدم درمیان نہ ہوتا۔" آگے چل کر ہوڈسن مزید لکھتا ہے کہ "ایک بات یقینی ہے۔ وہ (جناح) کسی پست مقصد کے لئے نہیں بدلے ان کے بدترین سیاسی حریفوں نے بھی ان پر بد دیانتی یا ذاتی مطلب براری کا الزام کبھی نہیں لگایا۔ انہیں کوئی شخص بھی کسی قیمت پر خرید نہ سکتا تھا۔ نہ ہی وہ ذرہ برابر بھی ہوا کے رخ پر چلنے والے مرغ باد نما تھے۔ جو عوامی ہر دلعزیزی کی ہوا میں ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا ہو یا وقتی مواقع سے فائدہ اٹھانے والے تھے، وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یب ثابت قدم، نظریہ، پسند اور نہایت محتاط انا پرست تھے" ـــــ

(The Great Divide By:H.V.Hodson P-37:38)

ماخوذ از ملت کا پاسبان ـ مصنف پروفیسر کرم حیدری۔ (دیباچہ)

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت قائداعظمؒ کی تمام تر زندگی کو جس زاویئے، جس نہج اور س انداز سے بھی پرکھیں۔ تجزیہ کریں یا مطالعہ کریں تو جو بھی نتیجہ بر آمد ہو گا، وہ ایک محور ر ایک ہی مرکز کی ترجمانی کرے گا اور وہ مرکز و منبع اور محور ہے خدا تعالیٰ کی ذات پر قائداعظمؒ ا غیر متزلزل ایمان و ایقان اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بھرپور عقیدت، ں کا یقینی اور کوئی حتمی سبب ضرور ہے۔ حضرت قائداعظمؒ کو خدا تعالیٰ نے بچپن سے ہی ایک اص مقصد عظیم کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا تھا، میں یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں ۔ خدا تعالیٰ نے بیسویں صدی میں دنیائے سیاست میں ان سے بڑا انسان پیدا نہیں کیا جس نے تخلیق ستان کو بیسویں صدی کے بہت بڑے سیاسی کارنامے اور معجزے کے طور پر دنیا کے سامنے پیش یا۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں تھا۔

جناب پروفیسر محمد منور مرزا تحریر کرتے ہیں۔ "ہندو شولال نامی صاحب قلم نے اپنی کتاب ہندوستان کی نادان حکمران" میں ذکر کیا ہے کہ گاندھی جی نے جنوری ۱۹۱۵ء سے لے کر یعنی ریقہ سے ہندوستان واپس آنے کے وقت سے لے کر تادم وفات قوم کا کھایا۔ ان کی بکریاں بھی م پر پلتی رہیں۔ پنڈت جواہر لال نہرو بیسویں صدی کے دوسرے دہاکے میں سیاست میں داخل وئے اور کانگریس سے تنخواہ لینے لگے۔ وہ ہر دوسرے تیسرے سال کے بعد اپنے ٹی اے، ڈی ے اور تنخواہوں کی رقم بڑھائے جانے پر اصرار کرتے تھے۔ انہوں نے کتابوں کی رائلٹی جو کئی ھ روپے سالانہ تھی اندرا بیٹی کے نام منتقل کر دی۔ بہن کو محروم کر دیا۔ راجندر پرشاد صدر ارت سرکاری خزانے سے "خاطر داری بھنتہ" اتنا ہی نکلواتے تھے۔ جتنا مونٹ بیٹن اور ویول نواتے تھے مگر خرچ اس سے پچاس روپے بھی نہیں کرتے تھے۔ شولال نے مذکورہ بالا کتاب میں اندرا گاندھی کی نادانیوں پر مشتمل ہے۔ یہ بھی قلمبند کیا ہے کہ سردار پٹیل نے وزیر بن کر کیا کیا ماہ خرچی فرمائی۔

صدر بھارت مسٹر گری نے کس کس بے امانتی کا ارتکاب کیا، اب سب تذکروں کے بعد وہ تل خود ہندوستان کے دشمن اول یعنی مسٹر جناح کا ذکر کرتا ہے۔ جب ہمارے قائداعظمؒ کا ر چلتا ہے تو شیولال مجبوراً کہتا ہے کہ مسٹر جناح نے تمام عمر محنت کی، مشقت کے دم م سے خوب دولت کمائی اور اس دولت کو قوم کے کاموں پر خرچ کیا اپنی ذات پر بھی اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزیزوں پر بھی، قوم سے کبھی کچھ نہ لیا اور نہ مسلم لیگ سے، اور پھر بہت سی رقم وقف کر گئے۔ بہنوں کا حصہ الگ ادا کیا، بہت سے پاکستانی اور ہندوستانی تعلیمی اداروں کے لئے رقوم مخصوص کیں۔ شیولال جیسا کہ ظاہر ہے، ہندو ہے، اندرا گاندھی پر یہ کتاب ۱۹۷۷ء میں قلمبند کی تھی۔ اسے کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ قائداعظمؒ کی قیادت ہمارے لئے مثال ہے محنت خلوص، استقامت، اصول پسندی اور ایثار کی۔ قائداعظم کے سیاسی اخلاف اگر دیانت دار اور ایثار پیشہ ہوتے تو مسلم لیگ ایک طاقتور سیاسی جماعت ہوتی۔ پھر وہ طاقتور اور منظم جماعت بڑے بڑے آدمی انتخابات کے لئے نامزد کرتی جو اہم کام کرنے کے اہل ہوتے منتخب ہو کر آنے والے اکثر فقط وہی لوگ نہ ہوتے جو دولت کے زور اور برادری کی قوت کو کمال رسہ گیری کے سہارے اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ جن کو نہ کوئی قومی شعور میسر ہوتا ہے اور نہ انہیں وطن کے احوال سے کوئی غرض ہوتی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ لوگ بالعموم اپنی "ٹوہر" بنانے کے لئے آتے ہیں اور اکثر کے پیش نظر انتخابات پر خرچ ہونے والی بھاری بھر کم رقم کو واپس وصول کرنا ہوتا ہے۔ فقط اصل زر ہی کی واپسی مقصود نظر نہیں ہوتی بلکہ سود بھی" ــــــ

(روزنامہ "نوائے وقت" ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۶ء

مضمون ایک ہجوم رہبراں ہے رہبر کوئی نہیں از پروفیسر محمد منور مرزا)

ممکن ہے۔ یہ بات ہمارے پاکستانی امراء، سیاست دانوں، دولت مند کاروباریوں اور صاحب ثروت حضرات کے لئے اچنبھے کی حیثیت رکھتی ہو یا ان کے لئے انتہائی لمحہ فکریہ کا باعث ہو۔ کہ حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں بھارت کے مشہور انگریزی روزنامہ نے لکھا ہے۔ (۲ر اکتوبر ۱۹۴۸ء کو حضرت قائداعظمؒ کی ایک وصیت کی خبر شائع کی تھی) اور وہ یوں تھی کہ

"مسٹر جناح نے اپنے ذاتی اکاؤنٹ میں چالیس لاکھ روپے چھوڑے ہیں۔ جن سے پاکستان اور انڈیا میں تعلیمی ادارے فائدہ اٹھائیں گے۔ پبلک فنڈ میں انہوں نے چوراسی لاکھ روپے چھوڑے ہیں جو مسلم لیگ اور چند دیگر اداروں کو منتقل ہو جائیں گے۔ ذاتی فنڈ سے بمبئی یونیورسٹی کو جہاں مسٹر جناح نے کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی پچاس ہزار روپے، انجمن اسلام بمبئی اور اینگلو عربیک کالج دہلی کے لئے پچیس پچیس ہزار روپے اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے کچھ حصہ ادا کرنے کے بعد باقی بیس لاکھ روپے کی رقم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اسلامیہ کالج پشاور اور اسلامیہ سندھ مدرسہ کراچی (جہاں قائداعظمؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی) کے مابین برابر برابر تقسیم کر دی جائے گی"

(روزنامہ "سٹیٹسمین" ۲ر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثر صہبائی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

نہ منصب کا لالچ، نہ سازش کا ڈر ہو
فقط تیری رحمت پہ جن کی نظر ہو
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!
نہ تن کی محبت، نہ دھن کی محبت
دلوں میں فقط ہو وطن کی محبت
الٰہی! ہمیں ایسے انسان عطا کر!

امبیدکر کی کتاب ہے جس کا نام ہے (What Congress and Gandhi did to Untouchables By Dr Ambedkar

یہ کتاب اچھوتوں کے باب میں ایک سنسنی خیز اور عبرتناک مطالعہ ہے۔ "اچھوتوں نے جب اپنے سیاسی حقوق کا مطالبہ کیا تو گاندھی جی نے بھی جات پات توڑ کر منڈل قائم کرنا شروع کر دیئے، حالانکہ اچھوتوں کو محض دھوکہ دینا مقصود تھا۔ بہرحال دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر ڈاکٹر امبیدکر نے اچھوتوں کو "ہندو جاتی" سے الگ قوم تسلیم کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ اور دوسرے مسلمان مندوبین نے بھرپور تعاون کیا۔ ان مظلوموں کے ساتھ ہر انصاف پسند شخص کو ہمدردی تھی۔ مسلمان امداد کرنا اپنا دینی فریضہ جانتے تھے، گاندھی جی نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اچھوتوں کو ان کا حق نہ ملے، لیکن برطانوی حکومت نے گاندھی جی کے سارے دلائل رد کر کے اچھوتوں کو جداگانہ حق رائے دہی دے دیا تھا، بس پھر کیا تھا سارے بھارت میں طوفان آ گیا، ہرلالہ کائیں کائیں کرنے لگا۔ گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا۔ کیا وہ مرن برت اچھوتوں کے مفاد میں تھا؟ ڈاکٹر امبیدکر کے بقول یہ مرن برت ہندو جاتی کی بہتری کی خاطر تھا" ____

(روزنامہ "نوائے وقت"، ۲۶ر جنوری ۱۹۹۰ء لاہور
"ہندو جاتی کا اچھوتوں کے ساتھ سلوک" ___ تحریر: پروفیسر محمد منور مرزا)

حضرت قائداعظمؒ نے کانگریس کے ہتھکنڈوں کے بارے میں لکھنؤ کے مسلم لیگ کے اجلاس میں فرمایا۔ "کانگریس نے اس بات کا بالوضاحت ثبوت پیش کر دیا ہے کہ کانگریس کے ذریعے صرف ہندو ہی ہندوستان کے واحد مالک ہوں گے، کانگریس کی یہ پالیسی مسلمان اور ہندو میں فسادات کا پیشہ خیمہ ہوگی اور شہنشاہیت کے ہاتھ زیادہ مضبوط ہوں گے، میں خود بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستانیوں میں بہت سے اختلافات رونما ہو چکے ہیں، جنہوں نے اشتراک عمل اور تعاون

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جذبات کو ناممکن بنا کر رکھ دیا ہے" حضرت قائداعظمؒ نے ایک موقع پر مسلم لیگ کے مقاصد اور نظریات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا تھا، کہ "مسلم لیگ برطانوی حکومت یا کسی سیاسی جماعت یا مجلس قانون ساز، اس بات کی اجازت نہیں دے گی کہ کوئی بھی گروپ مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرے۔ کانگریس اگر یہ دعویٰ کرتی ہے۔ کہ اس نے مسلمانوں کے لئے بہت کچھ کیا ہے تو واقعی یہ بتائے کہ اس نے اب تک مسلمانوں کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ بتائیے کہ اس نے مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے حقوق و مراعات کی نگرانی اور تحفظ کے سلسلے میں کیا تیر مارا ہے۔ کانگریس کے نزدیک مسلمان رابطہ عوام کی تحریک کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا یہ تمام مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنے اور انہیں کمزور کرنے کے ارادے نہیں ہیں؟ یہ سبھی ہتھکنڈے انہیں اپنے قائدین سے بدظن کرنے کے لئے نہیں۔ بہرحال کانگریس ہر محاذ پر ناکام رہی ہے۔ اور اب بہتر یہی ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ بہتر اور جائز سلوک کیا جائے"۔

محمد اشرف خان تحریر کرتے ہیں۔ "ہندو کانگریس کے عزائم اور ارادوں کو بے نقاب کرنے اور ہندوؤں کی جنگ جویانہ چالوں کا مقابلہ کرنے کے لئے قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا ایک ہنگامی اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا۔ جس میں پنجاب کی طرف سے سرسکندر حیات خاں، نواب احمد یار خان دولتانہ، نواب محمد شاہ نواز خاں آف ممدوٹ اور پنجاب کونسل کے مسلم ارکان، ملک برکت علی، میاں غلام رسول بار ایٹ لاء، پیر تاج الدین بار ایٹ لاء، سید خلیل الرحمٰن، شیخ محبوب احمد اور مولانا ظفر علی خان نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں قائداعظمؒ محمد علی جناح نے تمام صوبوں کے مسلمان مندوبین سے اپیل کی۔ کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ تاکہ کانگریس کے عزائم کا مقابلہ اور مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے۔ اجلاس لکھنؤ کے بعد مسلم لیگ میں نئی جان آ گئی وہ لوگ جو مسلم کانفرنس کا لبادہ اوڑھ کر مسلم لیگ سے الگ ہو گئے تھے وہ سب کے سب مسلم لیگ میں واپس آ گئے۔ اور مسلم لیگ نے ایک فعال سیاسی جماعت کی حیثیت سے ملک میں مسلمانوں کے سیاسی وقار کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ مسلمانوں نے مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے نیچے جمع ہو کر "تخت یا تختہ" کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان نے ہندو کانگریس اور برطانوی سامراج دونوں کی آنکھیں کھول دیں کہ مقابلہ ایک زندہ اور غیور قوم سے ہے۔ جن کی عنان قیادت خداوند قدوس نے ایک ہوشیار، بالغ نظر اور باعزم سیاست دان کو سونپ رکھی ہے اور یہ وہ سیاستدان ہے کہ جس کے ایمان و ایقان کو نہ نہرو کی دھمکیاں متزلزل کر سکتی ہیں۔ نہ گاندھی کی فریب کارانہ چالیں شکست دے سکتی ہیں اور نہ سپرو کی قانونی موشگافیاں ڈگمگا سکتی ہیں۔ قائداعظمؒ محمد علی جناح نے خدا کے بھروسے اور مسلمانوں کی تنظیم کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بل بوتے پر تنہا کانگریس اور برطانوی سامراج کے باہمی گٹھ جوڑ کو شکست دی۔ اور ان کی فریب کارانہ چالوں اور سیاسی دسیسہ کاریوں کا مسکت اور دندان شکن جواب دیا، اسے نہ گاندھی کی "اندرونی آواز" برما سکی اور نہ پٹیل کی خانہ جنگی کی احمقانہ دھمکیاں متزلزل اور ہراساں کر سکیں۔ اس نے قوم کو ایک نیا نظریہ دیا۔ اور وہ نظریہ تھا خود اعتمادی کا۔

اس نے کہا "دنیا کی کوئی طاقت یا جماعت یا قوم اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتی، جب تک اس کی پشت پر طاقت نہ ہو، وہ قومیں مٹ جایا کرتی ہیں جو اپنے بازوؤں کے بجائے غیروں کے بھروسہ پر جینے کی کوشش کرتی ہیں" ——

(مولانا ظفر علی خان، مصنفہ محمد اشرف خان عطا، صفحہ نمبر ۱۶۳ - ۱۶۲)

چنانچہ حضرت قائداعظمؒ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس ۱۸ر مارچ ۱۹۴۴ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ "پاکستان کا مطالبہ اب کروڑوں مسلمانوں کے نزدیک ایمان کا حصہ بن چکا ہے، یہ اب ایک نعرہ ہی نہیں، مسلمانان ہند نے اس حقیقت کو اچھی طرح پہچان لیا ہے کہ ان کی حفاظت، نجات اور مقدر کا واحد ذریعہ پاکستان ہے۔ وہ پاکستان جو وجود پذیر ہو گا تو ساری دنیا میں یہ آواز گونجے گی کہ ایک ایسی مسلم سٹیٹ معرض وجود میں آئی ہے جو اسلام کے درخشندہ عظمت و وقار کا احیاء کرے گی"

(تقاریر جناح۔ جلد دوم۔ صفحہ نمبر ۸۵)

جناب پروفیسر کرم حیدری اپنی کتاب "ملت کا پاسبان" میں حضرت قائداعظمؒ کو نہایت خوبصورت خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

"دین اسلام کے ساتھ بے پناہ شغف اور گہری وابستگی کا ہی ثمرہ تھا کہ قائداعظمؒ کو ایک نہایت مخلص مسلمان کی زندگی نصیب ہوئی۔ انہوں نے تمام عمر قلم کے سوا کوئی ہتھیار نہ اٹھایا لیکن انہوں نے مسلمانوں کی قومی آزادی کے لئے اتنی زبردست جدوجہد کی کہ تاریخ انہیں ملت اسلامیہ کے عظیم ترین مجاہدین کی صف میں جگہ دے رہی ہے ——

وہ تمام عمر برطانوی انداز کی قائم کی جانے والی عدالتوں میں قانونی جنگیں لڑتے رہے لیکن جھوٹ اور فریب کی اس دنیا میں رہ کر کام کرنے کے باوجود انہوں نے جھوٹ اور فریب دونوں سے اپنے دامن کو پاک رکھا اور اس طرح اپنے پیارے نبیؐ کے نقش قدم پر چل کر اپنے لئے "صادق" کا اعزاز حاصل کیا۔ قوم نے انہیں مسلم لیگ کی تقویت کے لئے لاکھوں روپے کے چندے دیئے۔ لیکن انہوں نے کہیں ایک پیسہ ناجائز نہ خرچ کیا نہ ہونے دیا اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں امین بھی ہوئے۔ اس مجاہدانہ امانت اور دیانت میں بے مثال زندگی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسر کرنے کے بعد لحد میں آسودہ خواب ہوئے تو بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی اور روضہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا مزار دنیا بھر کے چند ایسے مزارات میں سے ہے جس پر رات دن قرآن خوانی اور دعائے مغفرت ہوتی رہتی ہے۔ جو بجائے خود اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے علو مرتبت کی ایک نہایت روشن دلیل ہے۔"

(ملت کا پاسبان۔ مصنفہ پروفیسر کرم حیدری
صفحہ نمبر ۳۳۳ - ۳۳۵)

حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں جناب قتیل شفائی کی یہ نظم بہت بھلی لگتی ہے۔

ہمارے سر پر کسی سائبان جیسا تھا
زمین پہ رہ کے بھی وہ آسماں جیسا تھا
وہ ہر ڈگر پر سدا مرکز نگاہ بنا!
وجود اس کا ہمیشہ چراغ رہ نما!
وہ منزلوں کے چمکتے نشاں جیسا تھا
زمیں پہ رہ کے بھی وہ آسمان جیسا تھا
ہمارا رہبر کامل، ہمارا وہ محسن
بہت بڑا تھا، بہت ہی بڑا تھا وہ لیکن
سلوک اس کا کسی مہربان جیسا تھا!
زمیں پر رہ کے بھی وہ آسمان جیسا تھا

پیام صبح کا سب کو سنا دیا اس نے
تمام سوئے ہوؤں کو جگا دیا اس نے
تکلم اس کا سحر کی اذان جیسا تھا
زمین پر رہ کے بھی وہ آسمان جیسا تھا
کبھی قتیل سر اس کا جھکا سکا نہ کوئی
کہ اس کو اپنی جگہ سے ہلا سکا نہ کوئی
وہ اپنی ذات میں گویا چٹان جیسا تھا
زمیں پہ رہ کے بھی وہ آسماں جیسا تھا

جن دنوں کانگریس کی طرف سے مسلم لیگ اور حضرت قائداعظمؒ پر یہ الزامات عائد کئے جا رہے تھے کہ مسلم لیگ ہندوستان کی آزادی کے خلاف ہے اور وہ آزادی کا راستہ روک رہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ قائداعظمؒ نے ایک بیان میں اس کا جواب دیا جو انگلستان کے مشہور اخبار مانچسٹر گارڈین میں شائع ہوا۔

"مسلمانوں کو نیابی حکومت سے بھی ہمیشہ خوف اور خطرات رہے اور اس سے بھی زیادہ جمہوریت سے جب وہ ہندوستان میں پوری پوری برتی جائے۔ جس وقت سے ۱۹۰۸ء میں منٹو مارلے سکیم نافذ ہوئی اور ۱۹۱۶ء کا تاریخی ہندو مسلم معاہدہ ہوا، مسلمانوں کا جداگانہ طریقہ انتخاب اور آئینی تحفظات پر اصرار، ان کے اس خوف کی علامت اور دلیل ہے۔ لیکن جس وقت سے نئے صوبائی آئین کا افتتاح ہوا یہ بات اس طرح ثابت ہو گئی کہ اس میں کوئی شک نہیں رہا۔ کہ ہندوستان میں جمہوری پارلیمنٹری گورنمنٹ کا عمل در آمد ناممکن ہے۔ وہ قطعی ایسی فرقہ وارانہ (مذہبی) مستقبل اکثریت پر منتج ہوا جو اقلیتوں پر حکمران تھی اور اپنے اختیارات فرائض اور حکومت کے نظام کو اس مقصد کے لئے برت رہی تھی۔ کہ اقلیتوں پر فرقہ وارانہ (مذہبی) اکثریت کی بالادستی تسلط اور حکومت قائم ہو جائے۔

اس لئے میرا اندازہ یہ ہے کہ جمہوریت کے معنی صرف یہ ہوں گے کہ پورے ہندوستان پر ہندو راج قائم ہو جائے۔ یہ وہ حالت ہے جسے مسلمان ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اس لئے نہایت احتیاط کے ساتھ غور کرنے کے بعد مسلم لیگ اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہندوستان کے آئندہ آئین کے پورے مسئلے پر از سر نو غور کیا جائے۔"

Speeches and Writings of Mr Jinnah P-98,99

Compiled By Jameel-ud-Din Ahmad

مسٹر گاندھی نے ہریجن میں لکھا۔

جناب جناح صاحب برطانیہ سے متوقع ہیں کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرے جو کچھ کانگریس کر سکتی ہے یا دے سکتی ہے اس سے ان کا اطمینان نہیں ہو گا کیونکہ وہ ہمیشہ اور اپنے نقطہ نظر سے اور زیادہ کی خواہش کر سکتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ کی جو برطانوی دے سکتے ہیں۔"

اس کے جواب میں قائداعظمؒ نے کہا۔

"یہ حقیقت سے بہت دور اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے نہایت توہین آمیز ہے مسٹر گاندھی کے مرتبے کے آدمی کو اس جرم کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے تھا۔ ہم نے عزم کیا ہے۔ کہ اپنے ان حقوق کے لئے جو ہمیں جائز طور پر پہنچتے ہیں۔ لڑیں گے اور آخر دم تک لڑیں گے۔ برطانیہ کے علی الرغم اور کانگریس کے علی الرغم۔ میں مسٹر گاندھی کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمانوں کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف اپنی ہی طاقت پر بھروسہ ہے۔ ہم اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتے"

(Speeches and writings of Mr.Jinnah Compiled by Jame el-ud-din Ahmad

قائداعظمؒ کا اہم بیان

کانگریس کی طرف سے کانسٹی ٹیوئینٹ اسمبلی کے لئے بڑا شدید تقاضا تھا اور مسٹر گاندھی بڑے جوش سے اس کے لئے پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ انہوں نے نیوز کرانیکل (لندن) کے نمائندے کو بیان دیا کہ برطانوی عوام ان کے خیالات سے متاثر ہوں۔ اس کا جواب قائداعظمؒ نے بھی نیوز کرانیکل ہی کی وساطت سے دیا۔ انہوں نے فرمایا۔ "میں اسی کو ترجیح دیتا کہ چپ رہوں۔ مگر میں اس کے لئے مجبور ہو گیا ہوں کہ کانگریس کے اس یک طرفہ پروپیگنڈے کی تردید کروں جو ہندوستان اور غیر ممالک میں ہو رہا ہے۔ واقع یہ ہے کہ میں صرف مسلم لیگ کے خلاف حملوں کی مدافعت کے لئے بولتا ہوں۔

بہت دن نہیں ہوئے کہ مسٹر گاندھی نے ایک امریکی اخبار نویس کو گفتگو کا موقع دیا اس نے جب مسٹر گاندھی سے یہ سوال کیا کہ جمہوری ہندوستان میں پارٹیوں کے متعلق ان کی کیا رائے ہے تو مسٹر گاندھی نے جواب دیا۔ "ہندوستان میں بس ایک پارٹی ہے جو کچھ کر سکتی ہے اور وہ کانگریس ہے" نامہ نگار نے کہا "مسلم لیگ بھی تو ہے" ـــــ

مسٹر گاندھی بولے "میں سوائے کانگریس کے اور کسی پارٹی کو منظور نہیں کر سکتا۔" اس پر اخبار نویس نے کہا "اگر ہندوستان میں صرف ایک ہی پارٹی ہے تو گورنمنٹ فاشسٹ ہو گی جو جمہوری نہیں ہو سکتی۔ مسٹر گاندھی نے جواب دیا۔ آپ اس کو جس نام سے چاہے برا کہئے مگر ہندوستان میں صرف ایک ہی پارٹی ہو سکتی ہے اور وہ کانگریس ہے۔"

• مسٹر گاندھی جو کانسٹی ٹیوئینٹ اسمبلی کے معاملے میں مذبذب اور مشتبہ تھے یکایک اس کے مرید، اس کے پرجوش مبلغ بن گئے ہیں۔ وہ مسلم لیگ کے لئے غلط بیان کر رہے ہیں اور اس کی نیت پر حملے، مثال کے طور پر یہ کہ انہوں نے "ہریجن" میں لکھا۔ مسلم لیگ ملک کی ترقی میں سدراہ ہے اور جو اونچی بولی بولے اس کے ہاتھ بکنے کے لئے تیار ہے۔"

لیکن نیوز کرانیکل میں ان کے بیان کی غرض یہ ہے کہ برطانوی عوام اسے پڑھیں، شر سے اتنا لبریز بیان ہونا مشکل ہے اور وہ بھی مسٹر گاندھی کا، افسوس ہے کہ مسٹر گاندھی کا بیان جو حق کے بڑے داعی ہیں، کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے ساتھ ان کی یہ محبت ہی بس اس کی برابری کر سکتی ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جتنی ان کو اس مقصد سے ہے۔ یعنی ہندو مسلم اتحاد سے، جس کے واسطے وہ بیس برس سے جدوجہد کر رہے ہیں۔

اب وہ کہتے ہیں۔ جو رائے قابل شمار ہے وہ ہندوستانی رائے ہے۔ کانگریس کی رائے بھی نہیں۔ ہندوستان کی رائے اس کے آدمیوں کی آزاد رائے (ووٹ) سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ ان کی مرضی کی تصدیق کا واحد، سچا اور جمہوری طریقہ یہ ہے کہ ہر بالغ کے ووٹ یا اس کے کسی متفقہ مساوی بدل سے کیا جائے۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالغ ووٹ کے مساوی نعم البدل کے متعلق باہمی رضامندی کس کے درمیان ہوگی دوسرا یہ کہ اگر برطانیہ مسلمانوں، ہندوؤں یا کسی اور کی رائے پر اتحاد نہ کرے حتیٰ کہ کانگریس کی رائے پر بھی نہیں تو پھر ہندوستان کی رائے کیا ہے؟

لیکن یہ بات ہے کہ جو کانگریس کی یہ حقیقت کھل گئی ہے کہ وہ ہندوستان کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ حقیقت میں ہندو انجمن ہے تو مسٹر گاندھی کو یہ خیال آیا ہے کہ وہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کی حمایت کریں۔ جو ہندوستان کے حالات میں کانگریس کا دوسرا اور ضخیم تر نسخہ ہوگی۔

والیان ملک کو ایک طرف ہٹا کر وہ فرماتے ہیں۔ برطانیہ کا ارادہ مسلمان، ہندو یا کسی اور رائے پر کیوں منحصر ہو۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

قائداعظمؒ نے کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے تمام پہلوؤں پر مدلّل بحث کرنے کے بعد بالآخر فرمایا۔

جو کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی مسٹر گاندھی تجویز کر رہے ہیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک ایسی مجتمع جمعیت ہوگی جس کی تقدیر اور جس کا انتظام کانگریس ٹولی کے ہاتھ میں ہوگا۔ وہ عوامی مرضی نہیں جو مسٹر گاندھی فرما رہے ہیں بلکہ وہ اس ایک فرقے کی رائے ہوگی جس کی عظیم اکثریت ہے" کیوں! اس لئے کہ مسٹر گاندھی کی تجویز یہ تھی کہ اس میں تناسب آبادی کے مطابق نیابت ہو۔"

(پاکستان ناگزیر تھا ــــ مصنفہ سید حسن ریاض صفحہ نمبر ۲۲۵۔ ۲۲۸)

جناب سید حسن ریاض اپنی کتاب میں مزید تحریر کرتے ہیں۔ جب وائسرائے کی مسٹر گاندھی سے ملاقات ہوئی سب سے پہلے تو انہوں نے وائسرائے سے یہ کہا کہ "میں اپنے ساتھیوں کی رائے کے خلاف آپ سے ملنے کے لئے آیا ہوں گویا کانگریس کی طرف سے نیابت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" "مگر یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ اگر برطانوی وزارت کی ہدایت کے تحت وائسرائے موجودہ برطانوی رائے کے مطابق عمل کر سکیں تو ہر ایک کے لئے باعث عزت تصفیے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موقع ہے۔ ورکنگ کمیٹی نے مجھ کو گفت و شنید کے لئے کوئی اجازت نامہ نہیں دیا ہے۔ میں ذاتی طور پر نہ تصفیے کے لئے مضطر ہوں اور نہ اس کے نہ ہونے کے لئے۔ اگر قتل عام ہونے ہی والا ہے، تو میں عدم تشدد کا حامی ہونے کے باوجود اسے بلا جھجک دیکھوں گا۔ میرے مؤید مجھ سے یہ درخواست کر رہے ہیں کہ اعلان جنگ کر دوں۔ مگر میں نے انکار کر دیا ہے۔ تاوقتیکہ، عدم تشدد کے لئے وہ اپنا دل اور اپنی کامل اطاعت میرے حوالے نہ کر دیں"۔۔۔

کیسی عجیب گفتگو تھی، دھمکیاں ہی دھمکیاں اور فریب ہی فریب۔ یہ انگریز ہی کا تحمل تھا جو اسے گوارا کرتا تھا۔ وائسرائے نے اس کے جواب میں کہا۔ "یہ ضروری ہے کہ مسٹر گاندھی اس حیثیت میں ہوں کہ کانگریس کی طرف سے بول سکیں اور کانگریس کو پابند کریں۔ اگر واقعی کوئی ترقی منظور ہو تو یہ اشد ضروری ہے کہ مسٹر گاندھی اپنے رفقا کو ساتھ لے کر کانگریس کی سرگرمیوں کی رہنمائی کریں اور اس پر قابو رکھیں"۔۔۔

(Transfer of power in India by:V.P.Menon.P74-76

(ماخوذ از۔ پاکستان ناگزیر تھا۔ مصنفہ: سید حسن ریاض، صفحہ ۲۳۶)

مہاتما گاندھی کی مہاتمائیت کے مناظر و مظاہر برصغیر کی سیاسی تاریخ میں اسی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ ان کی روایتی مہاتمائیت جو روایتی ہندو ازم کی ایک بہت بڑی مثال ہے۔ ان کی شخصیت میں جگہ جگہ نظر آتی ہے ہندو دھرم کا نمائندہ قائد ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہندو دھرم کی مکمل پاسداری میں کبھی جھول نہ کھایا۔ انہوں نے سوچا کچھ کیا کچھ، دیکھا کچھ بتایا کچھ، وعدہ کچھ کیا۔ عمل برعکس کیا۔ جلوت میں بیان کچھ اور دیا اور خلوت میں کچھ اور۔ یہ کمال حوصلہ، تدبر، ہوشمندی، مصلحت کوشی اور معاملہ فہمی حضرت قائداعظمؒ کی تھی کہ انہوں نے گاندھی جیسے شش جہتی شخصیت کے مالک انسان سے گزارا کیا اور پھر انگریزی تعصب و عناد کا اگلے محاذ پر مقابلہ کیا۔ میں یہ بات کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ برصغیر میں سوائے قائداعظمؒ کے اور کوئی ایسی شخصیت نہیں تھی جو مہاتما جی کو ٹھیک ٹھیک ٹھکانے پر لگاتی

مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب India Wins Freedom جس کا ترجمہ (آزادی ہند" کے نام سے تلخیص، تبویب، استدراک کے ساتھ جناب رئیس احمد جعفری نے کیا ہے۔ یہ بڑی اہم کتاب ہے۔ جس میں تحریک پاکستان اور خصوصاً گاندھی کے بارے میں بڑی بڑی معلومات میسر آتی ہیں، مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"کانگریس کی تاریخ میں یہ بہت نازک وقت تھا۔ ہندوستان سے باہر کی دنیا میں لرزہ خیز واقعات رونما ہو رہے تھے۔ ہم سب ان سے متاثر تھے لیکن سب سے زیادہ پریشان کن چیز خود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے اندرونی اختلافات تھے۔ میں کانگریس کا صدر تھا، میں چاہتا تھا کہ ہندوستان جمہوری ممالک کے کیمپ میں داخل ہو جائے بشرطیکہ اسے آزاد کر دیا جائے۔

گاندھی جی کا ارادہ خودکشی

گاندھی جی اب تک اپنی رائے پر قائم تھے، یعنی ہندوستان کو کسی حالت میں بھی شریک جنگ نہ ہونا چاہئے وائسرائے سے ملاقات کے دوران میں بھی انہوں نے یہی بات کہی۔ یہ وہ وقت تھا کہ فرانس گھٹنے ٹیک چکا تھا اور جرمن طاقت اپنے عروج پر تھی۔

گاندھی جی کے لئے یہ نہایت نازک وقت تھا۔ متعدد مواقع پر انہوں نے خودکشی تک کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر وہ جنگ کی لائی ہوئی مصیبت روک نہیں سکتے۔ تو کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر کے اس ہولناک منظر کے تماشائی نہ بنیں، انہوں نے متعدد بار مجھ پر زور دیا کہ میں ان خیالات کی پشت پناہی کروں لیکن میں ان سے متفق نہ ہو سکا۔

میرے نزدیک عدم تشدد کی حیثیت پالیسی کی تھی۔ عقیدہ کی نہیں میرا خیال تھا کہ اگر کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے تو ہندوستانیوں کو تلوار سنبھالنے کا حق ہے۔ البتہ آزادی ہند کی جدوجہد پرامن طریق پر ہونی چاہئے۔

کانگریس ورکنگ کمیٹی اس مسئلے پر دو گروہوں میں بٹ گئی۔ پہلے مرحلے میں جواہر لال نہرو، سردار پٹیل، راجگوپال اچاریہ اور خان عبدالغفار خان میرے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد، اچاریہ، کرپلانی، شنکر راؤ دیو دل و جان سے گاندھی جی کے حامی تھے۔ یہ لوگ گاندھی جی کے اس خیال سے متفق تھے کہ اگر ایک مرتبہ یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ آزاد ہندوستان جنگ میں عملی حصہ لے گا تو آزادی ہند کے لئے ہندوستان کے عقیدہ عدم تشدد کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔ لیکن کانگریس اس کے برعکس میرا خیال یہ تھا کہ اندرونی جدوجہد آزادی کے درمیان اور بیرونی طور پر جارحیت کا مقابلہ کرنے میں فرق ہے۔ آزادی کی جدوجہد الگ چیز ہے اور آزادی کے بعد جنگ میں حصہ لینا دوسری چیز ان دونوں کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے۔

کانگریس کا فیصلہ

جولائی ۱۹۴۱ء میں ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا کانگریس کے جلسے پونا میں ہوئے، جہاں میرا نقطہ نظر تسلیم کر لیا گیا۔ دو تجویزیں منظور ہوئیں۔ ۱۔ پہلی تجویز میں کانگریس کے اس عقیدہ کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تجدید کی گئی کہ آزادی ہند کے لئے عدم تشدد کی پالیسی صحیح اور درست ہے اور اسے برقرار رہنا چاہئے۔

۲۔ دوسری تجویز میں اعلان کیا گیا کہ نازیت اور جمہوریت کی اس جنگ میں ہندوستان کا صحیح مقام جمہوریت کا کیمپ ہے لیکن مساعی جنگ میں ہندوستان اس وقت تک حصہ نہیں لے سکتا جب تک آزاد نہ ہو جائے دونوں تجویزوں کا مسودہ میرا بنایا ہوا تھا۔۔۔

گاندھی جی کا اضطراب خیال

ان تجاویز سے گاندھی بہت خوش ہوئے۔ مبارک باد کا ایک تار بھیجتے ہوئے انہوں نے مجھے لکھا کہ وہ اس بات سے خوش نہیں کہ آزادی کی جدوجہد میں عدم تشدد کے عقیدے کی میں نے تائید کی ہے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ موجودہ حالات میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی میری تجویز منظور کر لے گی اگر ہندوستان آزاد کر دیا گیا تو وہ مساعی جنگ میں حصہ لے گا۔ انہوں نے اس امر کا اظہار کیا کہ میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو اس بات پر آمادہ نہیں کر سکوں گا کہ ملکی جدوجہد آزادی کے لئے وہ عدم تشدد کی پالیسی پر قائم رہے۔"

(آزادی ہند۔ مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمہ تلخیص۔۔۔ رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۶۱۔ ۶۳)

اسی کتاب میں مولانا ابوالکلام آزاد آگے چل کر مزید تحریر کرتے ہیں۔

"سیاسی زبان میں گفتگو کیجئے تو یہ "ڈپلومیسی" ہے۔ صاف بیانی سے کام لیجئے تو یہ منافقت ہے سوال یہ ہے کہ اگر ورکنگ کمیٹی کی تجویز سے اختلاف تھا اور تشدد میں حصہ لینا کسی طرح گوارا نہیں تھا تو ان ممبران ورکنگ کمیٹی کو غیر مشروط طور پر استعفیٰ دے دینا چاہئے تھا لیکن استعفیٰ کو اس وقت تک ملتوی رکھنا جب تک برطانوی حکومت آزادی دینے پر رضامند نہیں ہو جاتی نہایت پست قسم کی سیاست ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ اگر برطانوی حکومت آزادی دینے پر کسی صورت سے رضامند نہ ہوئی تو ہم تشدد کا ہتھیار ہیں جو چاہے آزمالے۔ آخر یہ کون سی منطق ہوئی۔

مولانا نے فرمایا ہے جب انگریزوں نے کانگریس کا دست تعاون جھٹک دیا تو گاندھی جی نے سول نافرمانی کی تحریک کی تیاری شروع کر دی۔ واقعات کی ترجمانی اگر مولانا کے الفاظ کر رہے ہیں تو انگریزوں کی اس حرکت ناشائستہ کا جواب سول نافرمانی میں ہو سکتی تھی۔ لیکن نہیں واقعہ یہ نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لارڈ سنتھگو وائسرائے ہند نے گاندھی جی اور قائداعظمؒ سے تعاون کی درخواست کی دونوں نے اپنی اپنی شرائط پیش کیں۔ قائداعظم صرف اتنا مانگتے تھے جو ان کا حق تھا۔ گاندھی جی اپنا اور قائداعظمؒ کا اور اقلیتوں کا حصہ بھی اپنی جیب میں ڈال لینا چاہتے تھے۔ بات یوں نہیں بنی، وائسرائے کے لئے گاندھی جی کا اتنا خطرناک "دست تعاون" جھٹک دینے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

گاندھی جی نے سوچا یہ جنگ کا زمانہ ہے۔ انگریز پریشان ہیں اگر سول نافرمانی یعنی عدم تشدد کے ذریعے تشدد کا مظاہرہ کیا جائے تو انگریز مجبور ہو جائیں گے کہ اکثریت کو راضی رکھنے کے لئے اس کا تعاون حاصل کرنے کے لئے اقلیتوں کو ٹھکرا دیں۔ بدقسمتی سے ان کا یہ اندازہ غلط ثابت ہوا اب انہوں نے دباؤ ڈالنا چاہا اور سول نافرمانی شروع کر دی سول نافرمانی کی تحریک جتنی انگریزوں کے خلاف تھی اس سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے خلاف تھی۔"

گاندھی جی کی تحریک سول نافرمانی ناکام ہوئی۔ وہ بھی جیل سے باہر آ گئے اور دوسرے رہنمایان کانگریس بھی۔

یہ حضرات تو یہ سوچ رہے تھے کہ "ہمارا کوئی قدم آگے نہ اٹھ سکا"

لیکن اس حقیقت پر غور نہ کر سکے کہ کیوں نہ اٹھ سکا، یہ انگریزوں سے سب کچھ چھین سکتے تھے بشرطیکہ دوسروں سے بھی سب کچھ چھین لینے پر آمادہ نہ ہو جاتے۔ انگریز بھی ہوشیار ہو گئے اور دوسرے بھی چوکنے ہو گئے اور انہیں یہ اعتراف کرنا پڑا کہ "ہم حالات کا شکار بنے ہوئے تھے اپنی قسمت کے مالک نہیں" ــــــ

(آزادی ہند۔ مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد)

(ترجمہ، تلخیص، استدراک، رئیس احمد جعفری، صفحہ نمبر ۶۸۔ ۶۹)

مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی کی داستان قتل کے بارے میں لکھتے ہیں۔ "پردہ گرتا ہے۔"

چند آنسو

گاندھی جی کا حادثہ قتل ایک دور کا اختتام ہے۔ آج بھی میں اسے فراموش نہیں کر سکتا کہ کتنے افسوس ناک طریقہ پر نئے ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت کی جان بچانے میں ہم ناکام رہے۔ حادثہ بم کے بعد قدرتاً یہ توقع تھی کہ دہلی کی پولیس اور سی آئی ڈی ان کی حفاظت میں کچھ نہ کر سکی۔ بلکہ اگر کسی کو دھمکی کے خطوط وصول ہوں تو بھی پولیس ہوشیار ہو جاتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی جی کے پاس نہ صرف خطوط اور پمفلٹ آئے۔ نہ صرف انہیں علانیہ قتل کرنے کی دھمکیاں دی گئیں بلکہ ایک بم بھی پھینکا گیا۔ یہ ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت کی موت و زندگی کا سوال تھا۔ لیکن موثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس طرح کا احتیاطی اقدام مشکل تھا۔ گاندھی جی کی پرار تھنا کی مجلسیں کھلے میدان میں نہیں بلکہ برلا ہاؤس کے لان میں ہوئی تھیں۔ یہ ایسا مقام ہے جسے تمام اطراف سے بلند و بالا دیواریں گھیرے ہوئے ہیں۔ دروازہ کے علاوہ داخلہ کا کوئی راستہ نہیں، پولیس کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ آنے جانے والوں کی نگہداشت رکھتی۔

گاندھی جی کا قتل

اس المیہ کے واقع ہونے کے بعد حاضرین کی شہادت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ قاتل مشتبہ طریقہ سے اندر داخل ہوا۔ اس کے حرکات و سکنات اور الفاظ اس طرح کے تھے کہ پولیس اسے زیر نگرانی رکھ سکتی تھی۔ اور پولیس کو ایسا کرنا بھی چاہئے تھا۔ اگر پولیس نے کوئی قدم اٹھایا ہوتا تو وہ بڑی آسانی سے پکڑ کر نہتا کر دیا جاتا بغیر کسی روک ٹوک کے ریوالور لئے ہوئے آیا گاندھی جی جب پرار تھنا کے جلسے میں پہنچے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے گاندھی جی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تمہاری زندگی کا یہ آخری دن ہے، گاندھی نے جواب دیا۔ ہاں! قبل اس کے کہ وہ دوسرا لفظ کہیں تابڑ توڑ تین گولیاں ان کے نحیف و نزار جسم کو چیرتی ہوئی نکل گئیں۔ اس طرح قاتل نے ان کی قیمتی زندگی ختم کر دی۔

پٹیل پر الزام

یہ المیہ جب وقوع پذیر ہوا۔ تو غم و غصے کی لہر کا اٹھنا ایک قدرتی واقع تھا۔ کچھ لوگوں نے علانیہ سردار پٹیل کو نااہلیت کا ملزم گردانا۔ جسے پرکاش نرائن نے اس مسئلہ کو اٹھا کر بڑی ہمت کا ثبوت دیا۔ گاندھی جی کی موت پر اظہار رنج و غم کے لئے دہلی میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا اس میں تقریر کرتے ہوئے جے پرکاش نرائن نے صاف الفاظ میں کہا کہ گورنمنٹ آف انڈیا کا وزیر داخلہ اس قاتلانہ حملہ کی ذمہ داری سے اپنا دامن نہیں بچا سکتا۔ انہوں نے سردار پٹیل سے جواب طلب کیا۔ جب کہ گاندھی جی کے قتل پر علانیہ لوگوں کو اکسایا جا رہا تھا اور اس سے پہلے ان پر باقاعدہ بم پھینکا جا چکا تھا تو پٹیل نے کوئی احتیاطی قدم کیوں نہیں اٹھایا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذمہ داری پٹیل پر

کلکتہ کے مسٹر پرفلا چندر گھوش نے بھی یہ سوال اٹھایا۔ انہوں نے گورنمنٹ آف انڈیا کو بھی ملامت کی کہ وہ گاندھی جی کی جان بچانے میں ناکام رہے۔ انہوں نے کہا کہ سردار پٹیل ایک مضبوط اور کارگزار وزیر داخلہ کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اس الزام کا ان کے پاس کیا جواب ہے کہ گاندھی جی کی جان بچانے کے لئے انہوں نے کوئی احتیاطی قدم نہ اٹھایا۔۔۔۔

سردار پٹیل کا بیان

سردار پٹیل نے اپنے مخصوص انداز میں یہ الزمات سہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس حادثہ سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ لیکن اس بات پر خفا بھی تھے کہ لوگ انہیں کیوں ملزم گردان رہے ہیں۔ جب کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کا اجلاس ہوا تو انہوں نے کہا کہ ان کے خلاف اسی طرح کے الزامات لگا کر کانگریس کے دشمن اس تنظیم میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے گاندھی جی سے اپنی وفاداری کا اعادہ کیا اور کہا پارٹی کو ان الزامات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ مضبوطی کے ساتھ متحد ہو کر اس صورت حال کا مقابلہ کرنا چاہئے جو گاندھی جی کی موت سے پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی اپیل رائیگاں نہیں گئی۔ کانگریس پارٹی کے بہت سے ممبروں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔"۔۔۔۔

تقریب قتل پر شیرینی کی تقسیم

مجموعی حیثیت سے سارا ملک گاندھی جی کے قتل سے غمزدہ تھا۔ لیکن بعض شہروں میں گاندھی جی کے حادثہ قتل کی تقریب پر مٹھائی تقسیم ہوئی اور جشن منایا گیا، گوالیار اور اجین میں خاص طور پر۔

گاندھی جی کا قاتل ہیرو بن گیا

گاندھی جی کے قاتل گوڈسے پر مقدمہ چلایا گیا۔ گوڈسے کی گرفتاری پر پبلک کا ردعمل اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہندوستانیوں کے ایک طبقہ پر فرقہ وارانہ زہر کس طرح اثر کر چکا تھا۔ بعض معزز خاندانوں کی خواتین نے اپنے ہاتھ سے سوئیٹر بن کر گوڈسے کو بھیجے، اس کی رہائی کے لئے ایک تحریک بھی اٹھی۔ اس کے حامی علانیہ طور پر اس کے اقدام کو سراہ نہیں سکتے تھے، لہٰذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے کہنا شروع کیا کہ گاندھی چونکہ عقیدہ عدم تشدد کے پرستار تھے لہٰذا ان کے قاتل کو پھانسی نہیں ملنی چاہئے۔ جواہر لال کے پاس اور میرے پاس اس مضمون کے بہت سے تار آئے کہ گوڈسے کو پھانسی دینا گاندھی جی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ قانون بہرحال اپنا راستہ چلتا رہا۔ ہائی کورٹ نے اس کی سزایابی کی توثیق کر دی۔ "

(آزادی ہند ــــ مصنفہ مولانا ابوالکلام آزاد
ترجمہ و تلخیص رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۱۷۵۔۱۷۷)

گاندھی جی سے چیانگ کی ملاقات

"دہلی میں جنرل لسمو کلکتہ گئے، گاندھی برلا پارک میں مقیم تھے، جنرل لسمو اور میڈم چیانگ کاشیک ان سے ملنے وہاں آئے۔ یہ ملاقات دو گھنٹہ تک جاری رہی۔ میڈم چیانگ کاؤشیک ترجمان کے فرائض انجام دے رہی تھیں۔ (کیونکہ جنرل لسمو چین کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے اور میڈم آسانی سے انگریزی بول لیتی تھیں، گاندھی جی نے انہیں بتایا کہ جنوبی افریقہ میں پہلے پہل کس طرح انہوں نے ستیہ گرہ کا آغاز کیا۔ اور پھر کیونکر تدریجی طور پر عدم تشدد اور عدم تعاون کی تکنیک نے نشوونما کے مراحل ہندوستان کے سیاسی مسائل حل کرنے کے سلسلے میں طے کئے؟

گفتگو کا اچھا اثر نہ ہوا

اس ملاقات کے وقت میں کلکتہ میں موجود نہیں تھا۔ بعد میں جواہر لال نے اس ملاقات کے حالات مجھے بتائے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جواہر لال تمام معاملات میں گاندھی جی کے ہمنوا نہیں تھے۔ انہوں نے کہا۔ گاندھی جی نے جس انداز میں جنرل لسمو سے بات چیت کی، اس کا کچھ اچھا اثر ان پر نہ پڑا۔ میرے لئے اس بارے میں محاکمہ کرنا آسان نہیں ہو سکتا ہے۔ کہ جنرل لسمو گاندھی جی کے موقف کے موثرات صحیح طور پر سمجھ نہ سکے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گاندھی جی کے دلائل کو انہوں نے وزنی نہ محسوس کیا ہو، لیکن مجھے بڑی حیرت ہو گی اگر وہ واقعتاً گاندھی جی کی شخصیت سے متاثر نہ ہوئے ہوں۔ جس کی سحر طرازی سے غیر ملکی ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ "

مولانا ابوالکلام آزاد آگے چل کر اپنی اسی کتاب میں مزید تحریر کرتے ہیں۔

گاندھی جی نے بہترین موقع کھو دیا

ہمیں یہ معلوم کر کے بہت تعجب اور دکھ ہوا کہ گاندھی نے ہماری تجویز نہیں مانی، انہوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے اس امر پر زور دیا کہ تمام سیاسی رہنما خاص طور پر علی برادران سب سے پہلے غیر مشروط طور پر
ہا کر دیئے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ گول میز کانفرنس کے مسئلہ پر ہم اسیران سیاسی کی رہائی سے
پہلے غور نہیں کر سکتے۔ ہم دونوں مسٹر داس اور میں اس پر متفق تھے کہ یہ غلط تھا۔ جب حکومت
ں سے متفق تھی کہ کانگریسی رہنما گول میز کانفرنس سے پہلے رہا کر دیئے جائیں گے۔ پھر خصوصی
ور پر اس مسئلہ پر زور دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پنڈت مالویہ ہمارا تبصرہ لے کر پھر گاندھی جی
ے پاس پہنچے. لیکن وہ اب بھی اپنی رائے پر قائم رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے نے اپنی پیش
ش واپس لے لی۔ اس پیش کش کا اصل مقصد یہ تھا کہ کلکتہ میں پرنس آف ویلز کا بائیکاٹ نہ ہو،
لیکن چونکہ کوئی مفاہمت نہ ہوئی لہٰذا بائیکاٹ کی تحریک شاندار طور پر کامیاب ہوئی۔ مگر اس طرح ہم
نے سیاسی مفاہمت کا ایک زریں موقع کھو دیا۔۔۔۔۔

گاندھی جی کی بے تدبیر سیاست

پھر گاندھی نے بمبئی میں سنکرن نائر کے زیر صدارت ایک کانفرنس طلب کی اس کانفرنس
میں گاندھی جی نے بہ نفس نفیس گول میز کانفرنس کی تجویز پیش کی۔ گاندھی جی کے شرائط تقریباً
وہی تھے جو اس سے پہلے پنڈت مالویہ ان کے پاس لے کر گئے تھے اس اثنا میں پرنس آف ویلز
ہندوستان سے واپس جا چکے تھے اور حکومت کو اس تجویز سے مزید دلچسپی باقی نہ رہ گئی تھی۔ اس
بات سے مسٹر داس بہت برہم ہوئے انہوں نے کہا۔ "گاندھی جی نے بہت بڑی غلطی کی
ہے۔۔۔"

میں مسٹر داس کے اس فیصلے کو صحیح تسلیم کرنے پر مجبور تھا۔

گاندھی جی کی ایک اور زبردست غلطی

پھر چوراچوری کے حادثہ کے باعث گاندھی جی نے تحریک ترک موالات معطل کر دی۔
اس کا فیصلہ سیاسی حلقوں میں سنگین ترین سیاسی ردعمل کا اور ملک میں بے حوصلگی پیدا کرنے کا
سبب ہوا۔ حکومت نے صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور گاندھی جی کو گرفتار کر لیا۔
انہیں چھ سال کی سزائے قید ہوئی اور تحریک ترک موالات آہستہ آہستہ ختم۔۔۔۔۔

پیچیدہ شخصیت

گاندھی جی نے لارڈ لنلتھگو سے کہا۔ برطانوی حکومت کو ہتھیار ڈال کر ہٹلر کا مقابلہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روحانی قوت سے کرنا چاہئے۔ لارڈ لنلتھگو یہ سن کر ششدر رہ گئے ان کے نزدیک یہ بڑی عجیب اور غیر معمولی تجویز تھی۔ عام طور پر ان کی کار تک پہنچا آتا تھا۔ لیکن اس موقع پر نہ انہوں نے گھنٹی بجائی نہ اے ڈی سی کو بلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی ایک گم سم اور حیران و پریشان وائسرائے کے سامنے سے اٹھ کر تن تنہا اپنی کار تک آئے۔ گاندھی جی جب مجھ سے ملے تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا اور اس بات پر اظہار حیرت کیا کہ وائسرائے نے رسم و اخلاق کو بھی فراموش کر دیا۔ میں نے جواب دیا، آپ کی تجویز سے وائسرائے اتنا بھونچکا ہوا کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ معمولاً وہ کیا کرتا تھا۔ میری یہ توجیہہ سن کر گاندھی جی ٹھٹھا مار کر ہنس پڑے۔

سردار پٹیل کا گاندھی جی پر اثر

گاندھی نے مجھ سے کہا کہ اگر جاپانی فوج نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو وہ ہمارے دشمن کی حیثیت سے نہیں بلکہ برطانیہ کے دشمن کی حیثیت سے آئے گی اور سردار پٹیل بھی یہی رائے رکھتے تھے اور شاید گاندھی جی کو وہی اس راہ پر لائے تھے۔ بہرحال ہمارا باہمی اختلاف واضح ہو چکا تھا۔

گاندھی جی کی گول مول باتیں

میں کہہ چکا ہوں کہ آغاز جنگ کے وقت میری یہ رائے تھی کہ برطانیہ کا منظم طور پر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن گاندھی جی نے میری اس رائے سے اتفاق نہیں کیا تھا لیکن اب تو ان کی رائے تبدیل ہو چکی تھی میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دشمن جب ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھ چکا ہے تو برطانوی حکومت ایک منظم مخالفانہ تحریک کو کس طرح برداشت کرے گی۔ گاندھی جی کا خیال تھا ضرور کر لے گی۔ جب میں نے ان پر زور دیا کہ وہ اپنے پروگرام کی تفصیل بتائیں تو وہ سوا اس سے کوئی واضح بات نہ کر سکے۔ سابقہ مواقع کے برعکس اس مرتبہ لوگ رضاکارانہ طور پر گرفتار نہیں ہوں گے۔ وہ گرفتاری کا مقابلہ کر لیں گے اور اس وقت گرفتار ہوں گے جب جسمانی طور پر مجبور کر دیئے جائیں گے۔

بغاوت کا اعلان، صلح کی کوشش

جب "ہندوستان خالی کر دو" کا ریزولیوشن پاس ہو گیا تو گاندھی جی کے سیکرٹری مہادیو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسائی نے مس سلیڈ سے کہا کہ وہ جائیں، وائسرائے سے ملیں اور تجویز کا مدعا انہیں سمجھائیں، مس سلیڈ ایک برطانوی امیر البحر کی لڑکی تھیں اور عام طور پر میرابن کے نام سے مشہور تھیں، یہ گاندھی ن کی بڑی مخلص چیلی تھیں اور کئی برس سے ان کے آشرم میں رہ رہی تھیں۔ مس سلیڈ وار دھا سے دہلی پہنچیں اور وائسرائے سے انٹرویو کی درخواست کی۔ وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری نے جواب دیا کہ چونکہ گاندھی جی اعلان کر چکے ہیں کہ وہ بغاوت کے پروگرام پر غور کر رہے ہیں۔ لہذا وائسرائے ملاقات نہیں کر سکتے۔ سیکرٹری نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ جنگ کے زمانہ میں حکومت کسی قسم کی باغیانہ سرگرمی گوارا نہیں کرے گی، خواہ تشدد پر مبنی ہو یا عدم تشدد پر نہ ور نمنٹ کسی ایسی تنظیم کے نمائندے سے گفتگو کر سکتی ہے جو اس طرح کے خیال رکھتا ہو، اس کے بعد میرابن نے وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری سے ملاقات کی اور دیر تک ان سے باتیں کرتی ہی۔

گاندھی جی کی خود اعتمادی متزلزل ہو گئی

وائسرائے کا میرابن سے ملاقات کرنے سے انکار ایسا واقع تھا کہ گاندھی جی محسوس کرنے لگے کہ حکومت آسانی سے ہار ماننے والی نہیں، اس سلسلہ میں گاندھی جی کو جو اعتماد تھا وہ متزلزل ہو گیا۔

گاندھی جی ضرورت کے وقت بھول بھی جایا کرتے تھے

گاندھی جی کرپس سے مشن کے زمانہ میں جب پہلی بار ملے تو کرپس نے یاد دلایا کہ دراصل یہ وہی تجاویز ہیں جو کانگریسی رہنماؤں خصوصاً گاندھی جی کے مشورہ سے (کرپس کے دوران قیام وار دھا میں) تیار کی گئی تھیں، یعنی جنگ کے دوران میں وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کو پورے طور پر ہندوستانی بنا دینا اور جنگ کے بعد ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دینا۔

گاندھی جی نے کہا انہیں (وار دھا والی تجاویز) کے بارے میں کچھ یاد نہیں (وار دھا میں) کرپس سے ملاقات کے دوران میں ان کی جو گفتگو ہوتی تھی، وہ سبزی خوری کے بعض پہلوؤں سے متعلق تھی کرپس نے جواب دیا کہ یہ میری بدقسمتی ہے کہ گاندھی جی غذائی باتیں تو یاد رکھتے ہیں اور وہ تجاویز فراموش کر دیں جو ان کے رفقاء اور خود ان کے مشورہ سے تیار کی گئی تھیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرا اور گاندھی جی کا اختلاف

گاندھی جی کا خیال تھا کہ جنگ اب ہندوستان کی سرزمین تک پہنچ چکی ہے. لہٰذا جیسے ہی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گی، انگریز کانگریس سے صلح کر لیں گے اور اگر ایسا نہ ہوا تو بھی گاندھی جی کو یقین تھا کہ ایسی حالت میں جب جاپانی فوجیں ہندوستان کے دروازہ پر دستک دے رہی ہیں۔ انگریز کوئی سخت قدم نہیں اٹھائیں گے، لیکن میری رائے یہ نہیں تھی. میرا خیال تھا. جنگ کے اس نازک مرحلہ پر حکومت کسی عوامی تحریک کو برداشت نہیں کرے گی۔ انگریزوں کے لئے زندگی اور موت کا سوال ہے۔ وہ تیزی سے اور سختی سے اپنا کام کر گزریں گے۔

میں اس خیال پر سختی سے قائم تھا کہ موجودہ حالات میں کوئی تحریک جو عدم تشدد پر مبنی ہو یہ نہ ہو کامیاب ہو سکتی ہے، نہ چلائی جا سکتی ہے۔

"مستعفی ہو جاؤ" گاندھی جی کا مجھ سے مطالبہ

ہماری بحث و گفتگو کا سلسلہ ۵ جولائی کو شروع ہوا. کئی دن تک جاری رہا۔ اس سے پہلے متعدد مواقع پر بعض مسائل سے متعلق میں گاندھی جی سے اختلاف رائے کر چکا تھا۔ لیکن اب ہمارے اختلافات بہت زیادہ نمایاں اور واضح تھے۔ صورتحال نقطۂ عروج پر پہنچ گئی. جب گاندھی جی نے مجھے ایک خط بھیجا کہ میرا موقف ان سے اس درجہ مختلف ہے کہ اب ہم ایک ساتھ کام نہیں کر سکتے اگر کانگریس یہ چاہتی ہے کہ گاندھی جی اپنی تحریک چلائیں تو مجھے کانگریس کی صدارت اور ورکنگ کمیٹی کی ممبری سے مستعفی ہو جانا چاہئے۔ اسی طرح جواہر لال کو بھی مستعفی ہو جانا چاہئے۔

پٹیل نے گاندھی جی کو سمجھایا

میں نے فوراً جواہر لال کو بلایا اور گاندھی جی کا خط دکھایا۔ یہ خط پڑھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ وہ فوراً گاندھی کے پاس پہنچے اور اس اقدام کے خلاف انہوں نے سخت احتجاج کیا۔ پٹیل نے کہا کہ اگر میں کانگریس کی صدارت سے مستعفی ہو گیا اور جواہر لال بھی الگ ہو گئے تو ملک خطرناک حالات سے دوچار ہو گا۔ نہ صرف قوم کے خیالات پراگندہ ہوں گے بلکہ کانگریس کی بنیاد بھی ہل جائے گی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی جی نے توبہ کر لی

گاندھی جی نے ۷ جولائی کی صبح کو یہ خط میرے پاس بھیجا تھا، دوپہر کے وقت انہوں نے مجھے ۔ کیا۔ انہوں نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ صبح کو انہوں نے جو خط بھیجا تھا، ۔ نہی جلدی میں لکھ دیا تھا۔ بعد میں انہوں نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اب وہ اسے واپس لینا چاہتے ۔ ں۔ میں نے یہ بات مان لی، سہ پہر کو جب ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا تو گاندھی جی نے جو پہلی بات ۔ ں وہ یہ تھی کہ گناہ گار توبہ کر کے مولانا کے حضور میں پھر حاضر ہے۔

گرفتاری کے بعد گاندھی جی کی اداسی

(گاندھی جی) اور ممبران ورکنگ کمیٹی گرفتاری، گرفتار ہو کر بمبئی سے پونا اور احمد نگر ۔ لے جائے جا رہے ہیں۔ مسز نائیڈو اپنے کمپارٹمنٹ سے ہمارے پاس آئیں۔ انہوں نے کہا، گاندھی ۔ ں ہم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے کمپارٹمنٹ میں پہنچے۔ گاندھی جی بہت زیادہ آشفتہ خاطر نظر آ ۔ رہے تھے، اتنا اداس اور مضمحل میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح یک بیک گرفتار ہو جانا ۔ ان کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ان کا خیال تھا کہ حکومت کوئی سخت اقدام نہیں کرے گی۔ ۔ ن کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ اب وہ چکر میں تھے کہ کیا کریں۔

گاندھی جی کا دماغی توازن

ایک منٹ کی گفتگو کے بعد گاندھی جی نے کہا جیسے ہی آپ منزل مقصود پر پہنچیں حکومت کو ۔ طلع کیجئے کہ صدر کانگریس کی حیثیت سے آپ اپنا کام جاری رکھیں گے۔ مطالبہ کیجئے کہ آپ کا ۔ ر ائیویٹ سیکرٹری آپ کے ساتھ رہے اور دوسری ضروری سہولتیں آپ کو بہم پہنچائی جائیں اور اگر ۔ ورت ہو تو اس مسئلہ کو نقطہ جنگ بنا لیجئے۔

گاندھی جی کا عجیب و غریب بیان

گاندھی جی نے حکومت سے از سر نو گفت و شنید کی طرح ڈالی۔ یہ روش ان کے گزشتہ ۔ دیہ سے مختلف تھی۔ انہوں نے نیوز کرانیکل لندن میں ایک بیان شائع کر دیا کہ اگر ہندوستان کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آزادی کا اعلان کر دیا جائے تو وہ رضا کارانہ طور پر انگریزوں کا ساتھ دے گا اور مساعی جنگ کی پوری پوری تائید اور پشت پناہی کرے گا۔ یہ بیان پڑھ کر میں بھونچکا رہ گیا۔

گاندھی جی کی قلابازیاں

جب جنگ شروع ہوئی میں نے بڑی کوشش کی تھی کہ کانگریس ایک حقیقت پسندانہ اور مثبت پہلو اختیار کرے۔ گاندھی جی اس وقت اس بات پر اڑے ہوئے تھے کہ گو بلاشبہ ہندوستان کی آزادی کو بہت اہمیت حاصل ہے لیکن عدم تشدد کے عقیدہ پر قائم رہنا آزادی ہند سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ان کی طے شدہ پالیسی یہ تھی کہ اگر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا جائے تو مساعی جنگ میں وہ انگریزوں سے پورا پورا تعاون کرے گا۔ گاندھی جی کے سابقہ خیالات سے یہ نیا خیال بالکل برعکس تھا۔ اس اظہار خیال نے ہندوستان میں غلط فہمیاں پیدا کر دیں۔ ہندوستانی اس بیان سے الجھن میں مبتلا ہو گئے۔ انگریزوں پر اس نے جو اثر کیا، وہ بھی ناخوشگوار ہی تھا، بہت سے انگریزوں کا خیال تھا کہ جب تک جنگ کا نتیجہ مشکوک رہا، گاندھی جی انگریزوں کی امداد سے کتراتے رہے۔ ان کی موجودہ پیشکش کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ چونکہ اتحادیوں کی فتح یقینی ہے، لہٰذا وہ مفت میں انگریزوں کی ہمدردی حاصل کر لینا چاہتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ گاندھی جی کو اپنی پیشکش سے جو توقع تھی وہ رائیگاں گئی، برٹش گورنمنٹ نے اس پر ذرا بھر بھی توجہ نہ دی۔

"آزادی ہند"۔ مصنف۔ مولانا ابوالکلام آزاد

(ترجمہ تلخیص: رئیس احمد جعفری، صفحہ ۳۳۵ - ۳۲۸)

بات دراصل یہیں پر ختم نہیں ہوتی، بلکہ مولانا آزاد اپنی اسی کتاب میں گاندھی جی کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

گاندھی جی کس آسانی سے رائے بدل لیتے تھے

۱۹۳۷ء میں مولانا آزاد نے یوپی مسلم لیگ کو کانگریس سے اشتراک و تعاون پر آمادہ کر لیا تھا، لیکن جواہر لال نے وہ پیشکش مسترد کر دی جو مولانا نے مسلم لیگ کے سامنے رکھی تھی۔

"جب میں نے دیکھا کہ جواہر لال اپنا فیصلہ بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتے تو گاندھی جی کی ہدایت حاصل کرنے وار دھا گیا۔ جب میں نے ساری صورتحال گاندھی جی کے سامنے واضح کی، تو انہوں نے میرے ساتھ اتفاق کا اظہار کر لیا اور فرمایا کہ وہ جواہر لال کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیصلہ بدل لیں، لیکن جواہرلال نے معاملہ کو دوسرے رنگ میں پیش کیا۔ گاندھی جی جواہرلال کے ہم نوا ہو گئے اور اپنے وعدہ کے برخلاف اس معاملہ پر کوئی زور نہیں دیا۔

گوپی ناتھ بارودلائی نے جو آسام کے وزیراعلیٰ تھے اپنا اختلاف جاری رکھا۔ انہوں نے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے سامنے بنگال کے ساتھ آسام کی گروپ بندی کے خلاف ایک میمورنڈم پیش کیا۔ ہم نے محسوس کیا کہ گروپنگ کا مسئلہ ازسرنو اب ہمیں نہیں اٹھانا چاہئے۔

اسی اثناء میں گاندھی جی نے اپنی رائے تبدیل کر دی اور بارودلائی کی حمایت شروع کر دی۔ چونکہ گاندھی جی اب ان کی پشت پر تھے اور ان کی تائید میں بیان پر بیان شائع کر رہے تھے، لہٰذا انہوں نے ہماری ایک نہ سنی"۔

"آزادی ہند" مصنف۔ مولانا ابوالکلام آزاد

(ترجمہ وتلخیص: انیس احمد جعفری، صفحہ نمبر ۳۳۹ - ۳۳۸)

یہی مولانا ابوالکلام آزاد نے جو کچھ مہاتما جی کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار درج بالا صفحات میں کیا ہے اسی طرح اسی کتاب میں حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں بھی تحریر کرتے ہیں۔

گاندھی جی کی بہت بڑی غلطی (۱۹۴۴ء میں جیل سے رہا ہونے کے بعد)

"گاندھی جی نے ایک نئی کوشش مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنے اور مسٹر جناح سے ملاقات کرنے کی کوشش شروع کی۔ میرا خیال ہے اس مرحلہ پر مسٹر جناح تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش گاندھی جی کی بہت بڑی سیاسی غلطی تھی۔ ان کی اس غلطی نے مسٹر جناح کو نمایاں اہمیت دے دی، جس کے بعد میں انہوں نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔

گاندھی جی اور مسٹر جناح

حقیقت یہ ہے شروع ہی سے مسٹر جناح کے سلسلہ میں گاندھی جی کا رویہ کچھ عجیب سا ہو رہا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب مسٹر جناح کانگریس سے علیحدہ ہوئے تو وہ اپنی سیاسی اہمیت کھو چکے تھے۔ یہ گاندھی جی کی مکاری اور غلط روی تھی جس کے بعد مسٹر جناح نے ہندوستان کی سیاسی زندگی میں ازسرنو اہمیت حاصل کر لی۔ حقیقت واقع یہ ہے کہ مسٹر جناح یہ منزل کبھی نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ اگر گاندھی جی نے انہیں موقع نہ دیا ہوتا۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ مسٹر جناح کو اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی پالیسی کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتا تھا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ گاندھی جی مسٹر جناح کے پیچھے پیچھے گھوم رہے ہیں۔ ان سے تعلق کا برتاؤ کر رہے ہیں تو بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں از سر نو مسٹر جناح کی عظمت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے خیال کیا کہ مسٹر جناح ہی موزوں ترین آدمی ہیں جو فرقہ وارانہ تصفیہ حسب دلخواہ شرائط کر سکتے ہیں۔

مسٹر جناح کے دلائل وزنی تھے

"اہم ترین اختلاف گروپ بندی کے سلسلے میں تھا۔ مسٹر جناح کا کہنا تھا کہ دستور ساز اسمبلی پلان کے ڈھانچے میں تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ گروپ بندی پلان کا ایک اہم حصہ ہے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کی تبدیلی سمجھوتے کی خلاف ورزی ہے۔ اس پلان میں خود ہی واضح کر دیا گیا ہے کہ دستور بنانے کے بعد گروپ میں شامل کوئی صوبہ بھی اس میں شامل ہونے یا الگ رہنے کا فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ مسٹر جناح کا کہنا تھا کہ یہ سہولت ہر صوبے کے اندیشہ کو رفع کر دیتی ہے کہ جس گروپ کے ساتھ وہ وابستہ کیا گیا ہے اس سے الگ ہو جائے، آسام کے کانگریسی لیڈروں کا کہنا تھا کہ دستور سے پہلے بھی ہر صوبے کو گروپ میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو اپنا دستور جداگانہ طور پر بنا سکتا ہے۔ کابینہ وفد نے اس خیال کا اظہار کیا کہ گروپ بندی کے سلسلہ میں لیگ کا موقف درست ہے۔ آسام کے کانگریسی لیڈر بہرحال اپنی روش پر اڑے رہے اور کچھ تامل کے بعد گاندھی جی نے ان کی تائید شروع کر دی۔ معقولیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں یہ اعتراف کر لوں کہ مسٹر جناح کے دلائل وزنی تھے۔ ۴ دسمبر کو برطانوی کابینہ نے ایک بیان شائع کیا جس میں گروپ بندی کے سلسلہ میں مسلم لیگ کے نقطہ نظر کی تائید کی گئی تھی لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان جو خلیج پیدا ہو چکی تھی وہ پاٹی نہیں جا سکی۔

جناب رئیس احمد جعفری کے مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب میں دیئے گئے حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں تاثرات پر اپنے تجزیات یوں پیش کئے ہیں۔

"مولانا آزاد کی خود نوشت کے مختلف مقامات سے جو مرقع اس باب کی صورت میں تیار ہوا ہے وہ متعدد اعتبارات سے دلچسپ، سبق آموز اور قابل غور ہے، اس ہزار شیوہ مبحث کے بعض پہلوؤں پر گفتگو بسا ضروری اور ناگزیر ہے۔

ا..... قائداعظمؒ کی شخصیت کا صحیح اندازہ کر کے اگر گاندھی نے بار بار ان سے ملنے اور انہیں اپنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم خیال بنانے کی کوشش کی تو اسے "بہت بڑی سیاسی غلطی" قرار دینے کے کچھ اسباب بھی مولانا کی نظر میں ہوں گے۔

مسٹر جناح نے جو خوب فائدے اٹھائے وہ گاندھی جی کی نیازمندی کے باعث نہیں وہ جس طرح ایک سیاستدان تھے، اسی طرح ماہر نفسیات بھی تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کس سے کس طرح گفتگو کرنی چاہئے۔ اسی چیز نے انہیں کامیاب بنایا، انہوں نے جو فائدے بھی اٹھائے اپنے لئے نہیں اپنی قوم کے لئے اور ان کا اٹھایا ہوا کوئی فائدہ بھی ایسا نہیں تھا جسے اخلاقی اور سیاسی اعتبار سے غلط اور ناواجب قرار دیا جاسکے۔

۲..... ہندوستان کی سیاسی زندگی میں قائداعظمؒ کو جو اہمیت حاصل ہوئی اور سیاست ہند میں انہیں جو عزت حاصل ہوئی نہ وہ گاندھی جی کا عطیہ تھی نہ گاندھی جی کی مکاری کا نتیجہ۔

یہ بھی غلط ہے کہ مسلمانوں کا "بڑا" طبقہ مسٹر جناح کی پالیسی کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ مسٹر جناح کے مسلک اور خیال سے اختلاف رکھنے والا ایک گروہ تو بے شک مسلمانوں میں ہمیشہ موجود رہا اور اس گروہ کی تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہی، لیکن ہندو اور مسلم رہنما بلا اختلاف جس چیز پر ہمیشہ متحد رہے، وہ مسٹر جناح کا بے داغ کیریکٹر، ان کی دیانت فکر، اصابت رائے، بے لوثی اور دلیرانہ رویہ تھا۔

یہ میرا چشم دید واقعہ ہے، تاج محل ہوٹل بمبئی میں ایک عصرانہ تھا۔ اس زمانہ میں مسز نائیڈو اکثر بمبئی میں رہتی تھیں اور ہوٹل کا ایک کمرہ ان کے لئے مخصوص تھا۔ عصرانہ میں زیادہ تر کانگریس کے سربر آوردہ مقامی اور غیر مقامی جو بمبئی میں اس وقت موجود تھے، یہ لیڈر شریک تھے۔

مسز نائیڈو ایک بلند آہنگ خطیبہ، ایک شاعرہ شیریں نوا اور کانگریس کی اس وقت رہنما کی حیثیت سے مشہور تھیں۔ سب ان کا بڑا ادب لحاظ کرتے تھے، لیکن جب کسی محفل میں پہنچ جاتی تھیں، سب کا مذاق اڑاتی تھیں، حاضر وغائب رہنماؤں کا ایک ایسا خاکہ نجی محفلوں میں کھینچتی تھیں کہ بس۔ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ حد یہ ہے کہ گاندھی جی تک ان کے طنز لطیف کے تیروں سے نہیں بچتے تھے۔ باتوں باتوں میں مسٹر جناح کا ذکر چل نکلا، مخالفانہ اور معاندانہ رنگ میں، کیونکہ حاضرین میں ان کا ہم نوا شاید ایک ہی آدمی تھا مخالف سب تھے۔

دفعتاً مسز نائیڈو چپ ہو گئیں، ان پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ انہوں نے کہا "جناح کے بارے میں جو چاہو کہو، لیکن یاد رکھو، وہی ایسا شخص ہے جو خریدا نہیں جاسکتا"۔

گاندھی جی اس حقیقت کے رمز شناس تھے، زیادہ صحیح حقیقت یہ ہے کہ گاندھی جی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائداعظم کے کردار و سیرت سے مرعوب تھے۔ وہ جانتے تھے یہ وہ شخص ہے جس نے بمبئی کے قہار اور جبار گورنر اور ولنگڈن سے اس وقت ٹکر لی اور رو در رو اسے ایسی ایسی سنائیں اور شیرف آف بمبئی کے طلب کردہ الوداعی جلسہ کو درہم برہم کر دیا۔ جب کسی معمولی سارجنٹ کے سامنے بڑے بڑے ہندوستانی سورماؤں کا پتہ پانی ہوتا تھا، وہ جانتے تھے، وہ جناح تھا جس نے ہوم رول کی تحریک اس شد و مد سے چلائی کہ تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے انہی شاندار اور لازوال کارناموں کی یادگار وہ "جناح میموریل ہال" ہے جو کانگریس نے اپنے صرف سے تعمیر کرایا تھا اور جس کی تعمیر کے بعد مسز نائیڈو نے مسٹر جناح کو جو لندن میں تھے تار دیا تھا، "پیمبر کی زندگی ہی میں قوم نے اس کی قدر پہچان لی"۔

یہ وجہ تھی کہ گاندھی جی اس کے پیچھے پیچھے گھومتے تھے۔ ورنہ مولانا بھی اس "سردل براں" سے واقف ہیں کہ گاندھی جی وہ بت بے پیر تھے جنہوں نے محمد علیؒ جیسے گاندھی ساز، شوکت علی جیسے مسیحائے کانگریس نرسیمان اور کھارے جیسے فدایان کانگریس سے بیک چشم زدن رشتہ توڑ لیا اور دوسروں کا کیا ذکر خود مولانا سے ایک بار انہوں نے کہہ دیا تھا کہ آپ سے نباہ نہیں ہو سکتا۔ استعفیٰ دے دیجئے، بھلا ایسا شخص خواہ مخواہ مسٹر جناح کے پیچھے پیچھے گھوم سکتا تھا، اور مولانا نے یہ بڑی دلچسپ اور عجیب و غریب بات کہی کہ

"گاندھی کو مسٹر جناح کا تعاقب کرتے دیکھ کر بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں از سرنو مسٹر جناح کی عظمت پیدا ہو گئی"۔

جو مسلمان گاندھی جی کے اتنے عقیدت مند تھے کہ ان کی وجہ سے مسٹر جناح کی عظمت کے قائل ہو گئے، انہوں نے براہ راست گاندھی جی کے سامنے سر عقیدت کیوں نہیں جھکا دیا۔ مولانا نے شاید یہ کہتے وقت یہ نہیں سوچا کہ وہ کتنی مہمل بات ارشاد فرما رہے ہیں، اس سے یہی نتیجہ تو نکلتا ہے کہ گاندھی جی کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ نے مسٹر جناح کو زعیم کبیر مانا اور مسٹر جناحؒ کی وجہ سے گاندھی جی منحرف ہو گئے۔ مولانا کی قدیم و جدید منطق پر گہری نظر تھی۔ ان کا یہ ارشاد کس منطق کی ذیل میں آتا ہے! یہ وہی بتا سکتے تھے۔

۳ ..... گاندھی جی نے مسٹر جناح کو "قائداعظمؒ" اس لئے لکھا تھا کہ وہ چاہتے تھے کہ قائداعظمؒ اپنے مراسلات میں انہیں "مسٹر" کی بجائے مہاتما لکھا کریں۔ اپنے ایک خط میں گاندھی جی نے دبے الفاظ میں "من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو" کا منظر پیش بھی فرمایا تھا، لیکن قائداعظمؒ نے یہ کہہ کر انہیں ساکت کر دیا۔ "گلاب کے پھول کو جس نام سے بھی پکارو، وہ گلاب کا پھول ہی رہے گا"۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴..... قائداعظمؒ کی پہلی اور آخری شرط یہ تھی کہ تم مسلمانوں کی انفرادیت تسلیم کر لو، ان کا حق خودارادیت مان لو، اس کے بعد مسلمانوں کی جیب کی آخری پائی اور خون کا آخری قطرہ آزادی ہند کی راہ میں لے لو، مسلمانوں سے صلح کئے بغیر بظاہر انگریزوں سے لڑتے ہو، لیکن حقیقتاً مسلمانوں سے برسرپیکار ہو، مسلمان اتنے سادہ لوح نہیں کہ جنگ زرگری میں کسی فریق کا بھی ساتھ دیں اور اپنا نقصان کریں۔ اگر دیانتداری کے ساتھ مسلمانوں کی خیرسگالی اور تعاون کے متمکن ہو تو ان کے جائز اور مبنی بر انصاف مطالبات تسلیم کر لو، لیکن ان کو مطالبات تسلیم کئے اور انہیں مطمئن کئے بغیر آزادی کا نام لے کر انہیں دھوکا نہیں دے سکتے کم از کم وہ دھوکہ نہیں کھا سکتے۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ الفاظ کے طلسم میں اسیر کہ سردھڑ کی بازی لگا دیتے تھے، لیکن اب وہ دور ختم ہو گیا، اب وہ حقیقت پسند ہیں اور اپنے مطالبہ میں اتنے ہی سخت اور بے لچک جتنے تم خود ہو۔

۵..... قائداعظمؒ کا یہ اعتراض اتنا وزنی تھا کہ اس کا کوئی جواب نہ کانگریس دے سکی نہ صدر کانگریس، مولانا آزاد اور نہ فدایان کانگریس و گاندھی جی، جواہرلال اور سردار پٹیل۔

قائداعظمؒ کورے اور بےلاگ آدمی تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ واقعی (مکمل طور پر) کانگریس کابینہ سکیم کو تسلیم کرتی ہے تو اقرار کرے کہ وہ صوبائی گروپ بندی کو بھی تسلیم کرتی ہے اور دستور ساز اسمبلی بن جانے کے بعد اس موقف سے انحراف نہیں کرے گی، لیکن یہ اعتراف نہ کرنا اور منظوری کی رٹ لگائے جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ کانگریس "مکمل" ذہنی تحفظ کے ساتھ اس سکیم کو منظور کرتی ہے اور موقع پاتے ہی پھر تاویلات باردہ کا سلسلہ شروع کر کے اپنے اس موقف پر آ جائے گی کہ ہم گروپ بندی کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ آخر وقت تک کانگریس نے گروپ بندی تسلیم نہیں کی۔

کتنی عجیب بات تھی آسام جیسے چھوٹے چھوٹے صوبہ کے لئے جس کی آبادی چند لاکھ نفوس سے زیادہ نہیں، کانگریس عارضی طور پر بھی "جبری" طور پر بھی گروپ بندی میں اس شرکت پر رضامند نہیں تھی۔ صرف اس لئے متحدہ ہندوستان سے دستبردار ہو کر منقسم ہندوستان قبول کرنے پر باہزاراں حسرت و الم اسے مجبوراً ہونا پڑا، لیکن مسلم ہندوستان کو جس کی تعداد ۹ کروڑ کے لگ بھگ تھی، عارضی طور پر نہیں مستقل طور پر ہندوستان میں شرکت کرنے پر مجبور کر رہی تھی جو حق اس نے آسام کو دیا تھا وہ حق آج تک اس نے ۱۲ سال کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی کشمیر کو نہیں دیا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی جواب ہے اس اصول پرستی کا؟

۶..... مولانا آزاد نے کہیں تو قائداعظمؒ کے دلائل میں وزن محسوس کیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متفق گردید رائے بو علی با رائے من

آزادی ہند۔ مصنف مولانا ابوالکلام آزاد

(ترجمہ، تلخیص، رئیس احمد جعفری، صفحہ نمبر ۳۶۵ - ۳۵۸)

مولانا ابوالکلام آزاد کی مذکورہ بالا کتاب سے یہ تمام اقتباسات درج کرنے کا مفہوم دراصل یہ تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد جو کہ کٹر کانگریسی تھے اور گاندھی کے دست راست، انہوں نے گاندھی اور قائداعظمؒ کا جو تجزیہ کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ بہرکیف وہ قائداعظمؒ کی عظمت کردار، پرخلوص قیادت، بےباک سیاست اور شخصیت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیر مسلم لیگ اور روباہِ کانگریس

حضرت قائداعظمؒ ایک بلند و بالا سیاسی اور قومی حیثیت کے مالک تھے، ایک ایسے درخت کی مانند تھے جو چٹانوں پر اگتا ہے اور اپنی خوراک سنگلاخ چٹانوں سے حاصل کرتا ہے، اپنی پوری قوت اور طاقت سے حاصل کرتا ہے۔ قائداعظمؒ گملوں میں لگے پودوں کی طرح نہیں تھے جو ہر لمحہ اور ہر لحظہ مالیوں کی توجہ اور احتیاط کے محتاج ہوں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ان کی اپنی اور خالصتاً اپنی محنت و مشقت اور شب و روز کاوشوں کے عوض انہیں ایک بلند ترین مقام ودیعت فرمایا تھا۔ ان کی ذات میں اور ان کے تمام تر سیاسی کردار میں کوئی بھی ایسی مثال نہیں ملتی، کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ انہوں نے کسی کے زور بازو کے بل بوتے پر بلندی کے حصول کے لئے کاوش کی ہو۔

محترم بیدار ملک صاحب کی کتاب "یارانِ مکتب" جلد اول کا مطالعہ کر رہا تھا، ملک صاحب نے اس کتاب میں تحریک پاکستان کے نامور اسماء اور ان کے کوائف جمع کر دیئے ہیں۔ مطالعے کے دوران جب میں جناب ڈاکٹر عمر حیات ملک کے سوانحی خاکے پر پہنچا تو مجھے سخت حیرت ہوئی کہ ملک صاحب وہ ہستی تھے جنہوں نے مسٹر گاندھی کو برصغیر میں متعارف کرایا۔ بیدار ملک صاحب رقمطراز ہیں۔

"بیسویں صدی کی دوسری دہائی کا ذکر ہے۔ موہن داس کرم چند ..... ابھی مہاتما گاندھی نہیں بنے تھے، جنوبی افریقہ میں آباد اپنے ہم وطنوں کے حقوق کی لڑائی لڑتے ہوئے ایک باغی وکیل کے طور پر سیاسی افق پر ابھرے تھے۔ پردیس میں بدیسی حکومت کا غیض و غضب ناقابل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برداشت ہوا تو وطن واپس لوٹ آئے۔

موہن داس کرم چند کو اپنے ہی دیس میں اپنے نظریات کے اظہار کا کوئی راستہ نہ مل رہا تھا۔ اسی اثناء میں ان کی ملاقات اپنے ایک مسلمان ہم جماعت سے ہو گئی۔ انہوں نے کرم چند پر کرم کرتے ہوئے اسے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جانے کا مشورہ دیتے ہوئے انہیں جامع علی گڑھ کے ایک نوجوان پروفیسر کے نام ایک تعارفی خط دیا۔ یہ نوجوان اپنے زمانہ طالب علمی میں طلبہ یونین کا صدر رہ چکا تھا اور اب یونین کا ہر دلعزیز مشیر تھا۔ موہن داس جس شام علی گڑھ پہنچا ان کا میزبان یونین کی ایک تقریب میں شریک تھا۔ اسے ایک نووارد کی چٹ ملی تو وہ اسے ملنے ہال سے باہر چلا آیا۔ تعارفی خط سے اسے پتہ چلا کہ اجنبی کو ہندوستان میں اپنے تعارف کے لئے پلیٹ فارم درکار ہے۔ نوجوان اس مہمان کو ساتھ لئے ہال میں داخل ہوا۔ اس کے اشارے پر جلسے کی کارروائی کچھ دیر کے لئے رک گئی۔ پروفیسر نے اپنے مہمان کا بطور "فریڈم فائٹر" تعارف کرایا۔ ہال میں دیر تک تالیوں کی آواز گونجتی رہی۔ پھر اسے دعوت خطاب دی گئی۔ گویا گاندھی جی کے سیاسی سفر کا آغاز ہو گیا۔

جس نوجوان پروفیسر نے گاندھی جی کو یہاں متعارف کرایا۔ اس کا نام عمر حیات ملک تھا۔ اس وقت وہ ریاضی میں ایم ایس سی کرنے کے علاوہ ایل ایل بی کر چکا تھا۔ سرو کی مانند بلند و بالا قد، وقار کے ساتھ تنی گردن، ابھرا ہوا کشادہ سینہ، چہرے سے ٹپکتا ہوا رعب و دبدبہ۔ غرض مردانہ وجاہت کا ایک کوہ گراں، سرگودھا کے دور افتادہ گاؤں سگھاں والی (اسے میانی بھی کہتے ہیں میں ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوا"۔

("یارانِ مکتب"۔ مصنف: بیدار ملک، صفحہ نمبر ۲۴۴ - ۲۴۳)

محترم پروفیسر محمد منور مرزا صاحب کی تحریک پاکستان پر شہرہ آفاق تخلیق جس کا نام ہے "Dimensions of Pakistan movement". اس کتاب میں پروفیسر صاحب نے حضرت قائداعظمؒ اور مہاتما گاندھی تقابلی تجزیہ بے شمار حوالوں سے تحریر کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

"بیورلے نکلسن نے اپنی مشہور کتاب "Virdict on India" میں بعنوان (Dialogue with a giant) تحریر کیا ہے۔ کہ "میں نے جناح کو ایشیا کا انتہائی اہم انسان تصور کیا ہے۔ اس لئے کہ وہ ذہن میں روشنی کی طرح رہتے ہیں، ان کے ضمن میں توصیفی بیان پر بحث ہو سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ حقائق اور سچائی کے عین قریب ہے۔ ہندوستان آئندہ سالوں میں دنیا کا انتہائی اہم مسئلہ بننے والا ہے۔ لیکن جناح کی ایک شاندار اور مستحکم حیثیت واضح ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور انہیں جنگ جیتنی آتی ہے۔ جس طرح وہ بہتر تصور کریں اور اسلامیان ہند ان کے اشارے اور حکم پر دائیں بائیں مارچ کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار اور مستعد رہتے ہیں اور کوئی اس طرح نہیں کرا سکتا۔ یہی ایک نقطہ خاص ہے، لیکن ہندوؤں کے یہاں ایسا ممکن نہیں ہے، اگر گاندھی نہیں ہیں تو ان کی جگہ لینے کے لئے نہرو موجود ہے، پٹیل موجود ہے راج گوپال اچاریہ ہیں اور دوسرے بے شمار اور اگر جناح نہیں ہیں تو پھر اور کون ہے؟"

(ڈائی مینشنز آف پاکستان موومنٹ، مصنف پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر ۳۴۵ - ۳۴۴)

ایس کے موجمدار گاندھی کی اس دیرینہ خواہش پر یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ "گاندھی ہندوؤں اور مسلمانوں، دونوں اقوام کی قیادت سنبھالنا چاہتے تھے، اور پھر یوں سارے برصغیر پر اپنی حکمرانی مسلط کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں شاید ایسا نہ کر سکے تھے۔ وہ ناکام یوں رہے کہ وہ حضرت قائداعظمؒ پر فتح حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ ایس کے موجمدار ساری تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"مہاتما گاندھی کی شخصیت میں ایک پیامبر اور ایک سیاستدان کے امتزاج نے انہیں ایک خوفناک قوت بنا دیا تھا۔ ۱۹۲۰ء سے وہ برصغیر پر چھائے رہے۔ جتنی بھی مخالف سیاسی قوتیں تھیں وہ بھی مطیع رہیں۔ سوائے جناح کے جو ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ چانچہ جناح ایک مضبوط و مستحکم حیثیت میں صرف اس لئے تھے کہ برطانوی حکومت اور برطانوی اہلکار ان سے تعاون کر رہے تھے۔ گاندھی کا خیال تھا کہ جیسے ہی برطانوی حکومت اور ان کے حامی عناصر ہندوستان چھوڑ دیں گے۔ وہ جناح کو شکست و ریخت سے ہمکنار کر دیں گے۔ برطانوی حکومت کے خاتمے کے ساتھ اور جناح کو شکست و ریخت کے ساتھ تمام ہندوستان گاندھی جی کے قدموں میں ہو گا، اور تمام برصغیر میں تمام تر حکمرانی ان کی ہو گی۔ ان کی اپنی راج چکرورتی اور وہ ہندوستان میں گاندھی سلطنت کے پوپ ہوں گے"۔

(JINNAH AND GANDHI- BY: SK. MOJUMDAR P-176)

("ڈاؤ مینشنز آف پاکستان"۔ مصنف: پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر ۳۴۷ - ۳۴۶)

پیارے لال اپنی کتاب (MAHATMA GANDHI - THE LAST PHASE) میں تحریر کرتے ہیں۔ "صبح ۸ بجے باپو ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت کے لئے گئے اور مجھے انہوں نے کہا کہ وہ نوٹ پڑھیں جو انہوں نے پچھلی رات کر پس کے لئے لکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مختصر سے خطاب میں کہا، "میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔ اور آپ میرے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلا حمایت شک وشبہ پر عمل پیرا نہ ہوں۔ آپ صرف میری روحانی آواز پر عمل کریں اگر یہ آپ کے استدلال پر پوری اترتی ہیں، وگرنہ آپ اپنا راستہ خود متعین کر سکتے ہیں۔ اب میں آپ کی اجازت سے جانا چاہتا ہوں۔ آپ اپنی منطق کے مطابق عمل کریں۔ مجمع سکتے میں آگیا، کچھ وقت کے لئے کوئی بول نہ سکا، مولانا صاحب نے موقع کے مطابق کمال ذہنی چستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کی مرضی اور خواہش کیا ہے؟ کیا باپو کو یہاں مزید روکا جا سکتا ہے۔ سب خاموش تھے، سب سمجھ گئے تھے۔ اس فیصلہ کن مرحلے میں باپو کی ان کو ضرورت نہیں تھی۔ انہوں نے پائلٹ کو گرانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ باپو اپنی رہائش کی طرف چل دیئے"۔

یہ میٹنگ ۲۵ جون ۱۹۴۶ء میں قیام پاکستان سے ایک سال پہلے منعقد ہوئی تھی۔

("ڈائی مینشنز آف پاکستان"۔ مصنف: پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر ۳۴۸)

رچرڈ ھوف نے اپنی کتاب (MOUNTBATTEN, HERO OF OUR TIME) میں لکھا ہے جس میں انہوں نے حضرت قائداعظم اور گاندھی کا موازنہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"درحقیقت سیاسی اعتبار سے گاندھی اپنا وقار و مقام کھو بیٹھے تھے، مگر یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کے مہاتما سے قریبی تعلق اور دوستی رکھنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے سیاستدانوں اور مدبرین نے بھی لارڈ مونٹ بیٹن کی محبت و شفقت اور خیر سگالی جو انہوں نے ہندوستان کے لوگوں کے لئے دل میں پیدا کی تھی، تسلیم کر رہے تھے، لیکن صرف ایک فرد متحدہ ہندوستان میں جو قابو میں نہ آسکا وہ جناح تھا۔ "جناح مسلم لیگ تھا" مونٹ بیٹن نے کہا جس کے ہاتھوں میں ہندوستان کا مستقبل تھا۔ میں نے یہی ترکیب ان کے ہاں بھی استعمال کی، لیکن جناح کو گرمانے میں میں ناکام رہا ان کا صرف ایک ہی خواب تھا، اور وہ خواب اسلامیان ہند کے لئے ایک علیحدہ آزاد وطن تھا"۔

("ڈائی مینشنز آف پاکستان موومنٹ"۔ مصنف: پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر ۳۴۹)

ان حوالوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قائداعظمؒ کو خریدنا، بہلانا اور پھسلانا کتنا مشکل تھا یہ حضرت قائداعظمؒ کی ذات کی پختگی، ان کے ایمان و ایقان کی غیر متزلزل کیفیت تھی، کہ انہوں نے انگریزوں کے ہر منصوبے اور سازش کے جال کو تار تار کر دکھایا۔ ان کے قول و فعل میں کمپیوٹرائزڈ نتائج تھے۔ لگی لپٹی بات نہ پسند تھی اور نہ کرنے دیتے تھے۔ مومنانہ شان و شوکت اور عظمت کردار کے مالک تھے۔

قیادت کی جو بلند ترین مثال حضرت قائداعظمؒ نے قائم فرمائی وہ قیامت تک زندہ و پائندہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے گی، اتنی بلند شخصیت، اتنا بلند کردار، اتنی وسعت قلب، اتنا زور خطابت، اتنی بے باکی، اتنی غیرت و حمیت، اتنا عزم و استحکام، اتنے بلند فکر، اتنے روشن ذہن کے مالک، تاریخ میں ایسے انسان ہاں پیدا ہوتے ہیں۔

پاکستان کے پہلے وزیراعظم جناب خان لیاقت علی خان اپنی ۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء کی نشری تقریر میں فرمایا۔ "مجھے اس میں ذرا بھر شبہ نہیں کہ تاریخ قائداعظمؒ کا شمار دنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں رے گی، دنیا میں کم آدمیوں کو یہ نصیب ہوا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو ہاتھ میں لیں اور اپنی مت، عزم اور دانش سے اس کو اپنی زندگی میں ہی پروان چڑھائیں، قائداعظمؒ نے نہ صرف پاکستان کا نصب العین مسلمانوں کے سامنے پیش کیا بلکہ اس کے لئے جدوجہد کر کے دنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر دی۔ قائداعظمؒ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو دنیا میں بھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام سیاسی زندگی میں انہیں ملت اسلامیہ کی بہبود ہی منظور تھی اور وہ اسی کے لئے کوشاں رہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کو خدا نے ایک ایسا آہنی عزم عطا کیا تھا جو کسی مشکل یا کاوٹ کی پروا نہ کرتے ہوئے انہیں اور قوم کو آگے لئے چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے ارادے پر ایسی ستقل مزاجی سے قائم رہتے تھے جو ہر مسلمان کے دل میں جوش اور نصرت کے جذبات کو ابھارتا نا۔ ان کی قیادت میں ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جس پر ہماری ملت قابو نہ پا کے گی۔

اس فہم اور سیاست، اس عزم و ارادے کے ساتھ ساتھ قائداعظمؒ میں یہ خوبی بھی تھی کہ دن رات کام کر سکتے تھے اور کوئی فروعی چیز ان کی توجہ مبذول نہیں کر سکتی تھی۔ قائداعظمؒ الوالعزمی سے آخر دم تک دن رات ملت کے لئے کام کرتے رہے، وہ ملت اسلامیہ کے لئے ہمیشہ ب مثال کا کام دے گی اور ہر فرد کے لئے مشعل ہدایت بنے گی"۔

ممتاز حسن احسن تحریر کرتے ہیں "قائداعظمؒ لندن میں صبح سات بجے سے پہلے اٹھتے تھے۔ سات بجے ان کے کمرے میں چائے پہنچائی جاتی تھی۔ وہ آٹھ بجے تک کپڑے پہن اور اخبار ھ کر اپنی ڈاک دیکھ رہے ہوتے تھے۔ خورشید صاحب کو ان کی ڈاک کھولنے کی اجازت نہیں ں۔ وہ ہر خط کو سب سے پہلے خود دیکھتے اور پھر یا خود اس کا جواب لکھاتے یا اس پر کوئی حکم لکھ یتے۔

ان کی پوشاک نہایت اعلیٰ درجہ کی ہوتی تھی، ان کی وضع، انداز گفتگو اور طبیعت کی متانت اس درجہ کی تھی کہ میں نے جب کبھی انہیں کسی بڑے سے بڑے برطانوی سیاستدان سے باتیں تے دیکھا، یہی محسوس ہوا کہ وہ ان کے برابر کا آدمی نہیں ہے۔ برطانوی وزراء کی شخصیت اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی قابلیت سے کوئی زیادہ متاثر بھی نہیں تھے۔

قائداعظم کی گفتگو میں یہ خاص بات تھی کہ جو کچھ وہ کہتے تھے وہ نہایت واضح اور قطعی ہوتا تھا۔ ایک ایک لفظ کو صاف صاف اور علیحدہ علیحدہ ادا کرتے تھے، اور مخاطب تک اپنا مافی الضمیر اس خوبی سے پہنچاتے تھے کہ کسی غلط فہمی یا ابہام کا امکان نہیں رہتا ہے۔ پڑھتے وقت یا کسی خاص مسئلے پر غور کرنے کے دوران میں ان کی انگلیاں بے اختیار مانوکل کی طرف جاتی تھیں۔ وہ مانوکل پہنے ہوئے ایسے باوقار معلوم ہوتے تھے کہ تصویر اتارنے کو جی چاہتا تھا۔ ان کی مسکراہٹ میں ایک بے مثال دلکشی تھی، مگر کوئی شخص بغیر ان کے مسکرائے ان کے سامنے ہنس یا مسکرا نہیں سکتا تھا۔ ان کے ہاتھوں کی انگلیاں حسین تھیں اور وہ گفتگو کے دوران میں کسی بات پر زور دینے کے لئے اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے اپنی انگلیوں کو حرکت دیتے تھے اور مخاطب کی طرف انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔ آنکھوں میں ایک مقناطیسی چمک تھی۔ ان کی نظر ہر کام کے اصول کے علاوہ جزیات پر رہتی تھی۔ ان کی طبیعت میں ایک سلیقہ اور ایک باضابطگی تھی۔ جس کی شہادت نہ صرف ان کے سیاسی کارناموں میں بلکہ ان کی روزانہ زندگی میں ملتی تھی"۔

رسالہ ماہ نو، کراچی، نومبر ۱۹۴۸

(مضمون: قائداعظم" کا ایک سفر، تحریر: ممتاز حسن احسن، صفحہ نمبر ۳۲)

جناب ایم اے حسین نے لکھا ہے،

"۶ جون ۱۹۳۱ء کے جلسے میں دوسری اہم بات جو جناح صاحب نے اس موقع پر کہی یہ تھی کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات بھی اکثریت رکھنے والی قوم کے دل میں اس کی طرف سے بے اعتباری پیدا کر دیتے ہیں، یہ رویہ مناسب نہیں۔ اس موقع پر انہوں نے مصر کے زاغلول پاشا کے ایک واقعہ کا ذکر کیا جس میں زاغلول پاشا نے ایک صحیح عمل سے قبطی اور مصری مسئلہ کو ان سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ واقعہ یوں تھا کہ زاغلول پاشا قبطی لیڈروں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اپنے مطالبات ایک کاغذ پر لکھ دو، قبطیوں نے اپنے مطالبات لکھ دیئے، زاغلول پاشا نے ان مطالبات کو پڑھے بغیر انہیں لوگوں کے سامنے اس کاغذ پر دستخط کر دیئے۔ اس بات نے قبطیوں پر بڑا اثر کیا اور اعتبار اور بھروسہ کے اس معمولی سے عمل نے مصر کی موجودہ قوم کو ایک متحد قوم بنا دیا۔ اس کے برخلاف ہمیشہ مسلمانوں سے کوئی سودا کرنے اور سودے پر جھگڑنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسئلہ کو حل کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر بھروسہ کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بات شاید اب بھی لوگوں کے ذہن میں ہوگی کہ جس زمانہ کا حال میں لکھ رہا ہوں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد گاندھی جی نے ایک اعلان میں یہ کہا تھا کہ "میں مسلمانوں کو ایک سودیشی قلم اور سودیشی کاغذ دوں گا کہ وہ اس کاغذ پر اپنے مطالبات لکھ دیں اور کانگریس کی طرف سے میں ان مطالبات کو جوں کا توں قبول کر لوں گا" یہ وعدہ محض لفظی وعدہ رہا اور دوسری گول میز کانفرنس کے بعد کانگریس نے مسلمانوں کے ان مطالبات کو قبول کرنے کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جنہیں ابھی چند دن ہوئے "ہندوستان ٹائمز" میں انتہائی جائز کہا گیا ہے۔

حالانکہ اس جلسہ میں جناح صاحب نے مسلمانوں کے نقطہ نظر اور مسلمانوں کے وفد کے طرز عمل کی ترجمانی بڑی قابلیت اور کامیابی سے کی تھی۔ لیکن ان کی پوری تقریر قومیت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ انہوں نے مشترک انتخاب کی حمایت کی، اور اس بات پر زور دیا کہ ہم سب کو انگریزوں کے خلاف متحد ہونا چاہئے۔ لیکن انہوں نے اس موقع پر اس چیز کی وضاحت بھی کر دی کہ چونکہ عام طور پر مسلمان مشترک انتخاب کے حامی نہیں ہیں۔ اس لئے آئین میں جداگانہ انتخابات کا جزو لازمی ہے۔ جناح صاحب نے پورے مسئلہ کو اس قدر وضاحت اور منطقی انداز سے پیش کیا کہ کیمبرج کے دو نوجوان بھی جنہیں عموماً اپنی قابلیت کا پندار ہوتا ہے۔ ان سے کوئی الٹا سیدھا سوال نہ کر سکے۔ اسی طرح جناح صاحب کی ذات کی بدولت کیمبرج مسلم ایسوسی ایشن کا پہلا جلسہ بے حد کامیاب رہا۔ اس بات سے ہمارے بعض ہندو دوست کچھ خوش نہ ہوئے اور ہم لوگوں کے تعلقات کچھ دن تک کشیدہ رہے۔ اگلے دن یعنی ۷ر جون ۱۹۳۱ء کو کچھ مسلمان طالب علموں کی ملاقات سینٹ جان کالج میں چائے پر ہوئی۔ اور یہاں ذرا بے تکلفی سے باتیں ہوئیں۔ اس ملاقات میں جناح صاحب نے ہندوؤں کے ارادوں کے متعلق زیادہ یقین کے ساتھ شبہے ظاہر کئے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن جناح صاحب نے گاندھی جی کا ذکر برابر "مہاتما جی" کہہ کر کیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ "آخر کو ہندو ہیں اور اس لئے ان کے لئے ہندوؤں کا مفاد باقی ہر مفاد سے بڑھ کر ہے۔"

(رسالہ ماہ نو، کراچی نومبر ۱۹۴۸ء

مضمون ایک نئے دور کا آغاز، تحریر: ایم اے حسین، صفحہ نمبر ۵۰، ۵۱)

میں یہاں حضرت قائداعظمؒ کے ضمن میں جناب رئیس احمد جعفری کے مضمون کو پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو اپنے محبوب قائد کے بارے میں مزید بہتر معلومات حاصل ہو سکیں اور قائداعظمؒ کی شخصیت، قابلیت و ذہانت اور سیرت و کردار کے مزید گوشے واضح ہو سکیں گے جناب رئیس احمد جعفری تحریر فرماتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لکھنؤ چیف کورٹ

جسٹس گوکرن ناتھ کی عدالت تماشائیوں سے قانون کے طالب علموں سے نو آموز وکیلوں سے بڑے بڑے بیرسٹروں اور وکیلوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے۔ ریاست نانپارہ کا مقدمہ ملکیت زیر سماعت ہے۔ ایک فریق کے وکیل، مشہور انگریز دشمن، سابق صدر کانگریس اور ملک کے مایہ ناز قانون دان مسٹر حسن امام ہیں۔ دوسرے فریق کے وکیل، ہوم رول لیگ کے خالق، تلک اور گوکھلے کے ممدوح، دادا بھائی نوروجی کے چہیتے، چند سال پہلے تک کانگریس کے روح رواں نیشنلسٹوں کے امام حاضر اور سروجنی نائیڈو کے الفاظ میں "ہندو مسلم اتحاد کے سفیر" مسٹر جناح ہیں خلقت انہی دونوں چوٹی کے وکیلوں کی بحث سننے آئی ہے۔

وہ دیکھئے جسٹس گوکرن ناتھ مصر اباصد جلال و تمکین تشریف لائے تمام حاضرین سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے کارروائی شروع ہوئی۔ مسٹر حسین امام نے بحث کا آغاز کیا غرارے دار پاجامہ تنزیب کا انگرکھا، سر پر دوپلی ٹوپی زبان انگریزی، لب و لہجہ ہندوستانی۔

تقریر کیا تھی، فن و قانون کا بہت بڑا دریا تھی۔ ایک سے ایک بڑھ کر دلیل، نئی نئی نظیریں، اچھوتے نکتے، زور بیان، حسن استدلال، شگوفہ کاریاں، زبان کی گلکاریاں، دلائل کی پرکاریاں، کیا کچھ نہیں تھا۔ حاضرین تو حاضرین، خود جسٹس گوکرن ناتھ کا یہ حال تھا کبھی ان کا قہقہہ عدالت میں بانگ دہل کی طرح گونجتا تھا، کبھی نگاہ تحیر، حسن استدلال کے بوسے لیتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اور مسٹر جناح!

مسٹر جناح، خاموشی سے اپنی کرسی پر متمکن تھے، قہقہہ نہ تبسم، نہ پوست نہ استکراہ، یہ معلوم ہوتا تھا، وقار و متانت اور دبدبہ و طنطنہ کا مجسمہ بیٹھا ہوا ہے۔ حسن امام کی تقریر ختم ہوئی، سب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اب جناح کی باری تھی، جچے تلے الفاظ پر زور لیکن باوقار لہجہ، وکیل مخالف کی ایک ایک دلیل، جو ابھی چند لمحے پہلے تک پہاڑ کی طرح وزنی اور چٹان کی طرح مستحکم نظر آ رہی تھی، اب روئی کے گالوں کی طرح کمرہ عدالت میں اڑ رہی تھی، جسٹس گوکرن ناتھ اب تک باغ و بہار بنے ہوئے تھے، ہنستے بھی تھے اور ہنساتے بھی تھے، اب یکسر فکر و استغراق نظر آ رہے تھے۔ حسن امام نے دو گھنٹہ سے زیادہ تقریر کر کے ایک طلسم باندھا تھا اور اس طلسم کشا نے آدھے گھنٹے کی مختصر تقریر میں، لیکن جامع و مانع تقریر سے اسے ختم کر کے رکھ دیا۔

ایک تاثر کے عالم میں عدالت برخاست ہوئی اور لوگ، اس وقت تک اس دبلے پتلے لیکن آہنی انسان کو دیکھتے رہے، جب تک اس کی کار بٹلر پیلس، مہاراجہ محمود آباد کے دولت کدے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف روانہ نہیں ہو گئی۔

انڈین لیجسلیٹو اسمبلی: سر عبدالرحیم کرسی صدارت پر رونق افروز ہیں۔ کمیونل ایوارڈ زیر بحث ہے۔ حکومت اور کانگریس پارٹی، اپنی اپنی تائید و حمایت کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں حکومت چاہتی ہے کہ اصلاحات جدیدہ سے متعلق رپورٹ جوں کی توں منظور کر لی جائے، کانگریس چاہتی ہے اسے یکسر مسترد کر دیا جائے مسٹر جناح اصلاحات کے مخالف ہیں، لیکن کمیونل ایوارڈ کے حامی ہیں۔ ایک حد تک وہ حکومت کا ساتھ دینا چاہتے ہیں اور ایک حد تک کانگریس کا۔

سر سرکار نے لا ممبر اور لیڈر آف دی ہاؤس کی حیثیت سے ایک معرکہ آرا تقریر میں حکومت کے نقطہ نظر کی شکایت کی۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے وضاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ کانگریس کی ترجمانی کی۔ سرکار کی تقریر۔ خطابت اور جوش بیان کا نمونہ تھی۔ ڈیسائی کی تقریر استدلال اور منطق کا شاہکار تھی۔ اب جناح، حقیقت پسندی کے حربے سے مسلح ہو کر کھڑا ہوا۔

جناح کی تقریر دو دھاری تلوار تھی۔ جو برق جانسوز بن کر فرنگی سامراج کے خرمن حیات پر گر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ وہ ہندو، امپیریلزم کے گلوئے مشکبو پر بھی پڑ رہی تھی، جناح نے حکومت سے مخاطب ہو کر کہا۔ تمہاری فیڈرل سکیم مکر و فریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تم ہندوستان کی روح سے قدیم ہند کی نفسیات سے، ہندو اکثریت کی سرشت سے اور اقلیتوں کے حال زار سے واقف ہو ہر مرتبہ جب تم اصلاحات کا متن تیار کرتے ہو، تمہارے پیش نظر صرف سامراجی اغراض و مقاصد ہوتے ہیں پھر وہ ڈیسائی کی طرف مخاطب ہوئے اور انہوں نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا، اگر تم میں اتنی وسعت قلب، اور عالی ظرفی نہیں ہے کہ اقلیتوں کے ساتھ باعزت سمجھوتہ کر سکو ان کی شکایات رفع کر سکو، ان کے مطالبات منظور کر سکو۔ ان کے احتیاجات پورے کر سکو۔ تو تمہیں حکومت کا پیش کردہ کمیونل ایوارڈ منظور کرنا پڑے گا۔ اگر تم واقعی سچائی اور صداقت کے ساتھ حکومت کو شکست دینا چاہتے ہو تو آؤ ہم سے سمجھوتہ کرو۔ ورنہ ہم اصلاحات مسترد کر دیں گے۔ اور ایوارڈ منظور کر لیں گے۔ اصلاحات اس لئے مسترد کر دیں گے کہ وہ ملک کے لئے بہ حیثیت مجموعی مہلک ہیں اور ایوارڈ اس لئے منظور کر لیں گے کہ اس کے سوا کوئی چارہ کار ہی نہیں ہے۔

اس تقریر کا ردعمل یہ ہوا کہ حکومت کی اکڑی ہوئی گردن اور اکڑ گئی اور کانگریس کی گردن میں خم آ گیا۔ حکومت اپنی روش پر اڑی رہی اور کانگریس کمیونل ایوارڈ کے معاملے میں غیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جانبدار ہو گئی ووٹنگ ہوئی تو فتح جناح کی تھی۔ یعنی اصلاحات کی رپورٹ مسترد اور کمیونل ایوارڈ منظور۔

نظام دکن کا گیسٹ ہاؤس۔ لارڈ ویول وائسرائے ہند نے مسلم لیگ کی تجاویز ماننے سے معذوری ظاہر کی ہے۔ مسٹر جناح نے ان سے جنگی سرگرمیوں میں ان سے اور ان کی حکومت سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وائسرائے ایک جنگی کونسل بناتے ہیں اور اس کی ممبری کے لئے مسلم لیگ کی بعض سربر آوردہ شخصیتوں، سرسکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب اور نواب صاحب چھتاری وغیرہ سے سازش کرتے ہیں۔ اور انہیں ممبری پر راضی کر کے سرکاری اعلان کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ نظام دکن کا فرمان شائع ہوتا ہے۔ جس کی رو سے نواب صاحب چھتاری کی وزارت عظمیٰ کا اعلان کیا جاتا ہے۔

شاہی گیسٹ ہاؤس سے مسٹر جناح ایک بیان شائع کر کے وائسرائے کو ان کی کامیاب سازش پر مبارک باد دیتے ہیں اور مذکورہ تمام اصحاب کے مسلم لیگ سے اخراج کا اعلان کرتے ہیں۔

یہ اعلان سن کر دنیا دنگ رہ جاتی ہے۔ سکندر حیات اور فضل الحق، سعد اللہ سلطان احمد اور چھتاری اگر مسلم لیگ سے نکال دیئے گئے تو رہ کیا جائے گا؟

ہم اٹھ گئے تو کیا تری محفل میں رہ گیا!

لیکن قائداعظمؒ اپنے فیصلہ پر قائم ہیں۔ لوگ منتیں کرتے ہیں، التجائیں کرتے ہیں اصرار کرتے ہیں کہ فیصلہ واپس لے لیں۔ لیکن جناح کے "نو" (No) کو "یس" (Yes) سے کوئی نہ بدل سکا۔

اور آخر کار سکندر حیات اور سعد اللہ اور چھتاری توبہ کر کے اپنے گروہ سے تائب ہوتے ہیں۔ باقی اپنے مسلک پر قائم رہتے ہیں اور ان کا جو حشر ہوا اسے کون نہیں جانتا۔

مسلم لیگ کونسل کا اجلاس:۔ حکومت برطانیہ نے ایک مرتبہ پھر مسلم لیگ سے بدعہدی کی۔ کابینہ مشن کی تجاویز مسترد کر دیئے اور حکومت کا تشریحی بیان، نہ ماننے کے باوجود مسلم لیگ نظرانداز کر دی گئی اور کانگریس کے بغیر تشکیل وزارت کی اسے اجازت نہیں دی گئی۔

ان بدلے ہوئے حالات پر غور کرنے کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک جلسہ بمبئی کے قیصر باغ ہال میں منعقد ہوتا ہے قائداعظمؒ کرسی صدارت پر جلوہ فرما ہیں۔

بڑے پرجوش انداز میں مباحثہ ہو رہا ہے۔

گرمئ گفتار، رعنائی مجالس الاماں:۔ کسی گوشے سے سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو رہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، کوئی مقرر زمین و آسمان تہ و بالا کئے دے رہا ہے، کسی زبان میں خنجر کی روانی ہے کسی کے الفاظ میں تیر و نشتر کی چبھن، کسی کے نعرہ میں زلزلہ کی گرج، اور کسی کی گرج، ستارہ شکن اور آسمان گیر! قائداعظمؒ سب کی سن رہے ہیں، کبھی تبسم، کبھی سکوت، تبسم میں سنجیدگی اور سکوت میں فکر کے آثار نمایاں!

دوسرے روز قائداعظمؒ کی مرتب کی ہوئی سرکاری تجویز پیش ہوئی، کابینہ مشن کی تجاویز مسترد، ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ، ابتدائی اقدام سرکاری خطابات کی واپسی۔

خطابات کی واپسی کی تحریک، خلافت اور کانگریس کی پر آشوب تحریکوں کے زمانہ میں بھی اٹھی تھی۔ لیکن قائداعظمؒ کی ولولہ انگیز اور معرکہ آراء تقریر نے فضا بدل دی لوگ جو "فرزند دلبند سلطنت انگلشیہ" سمجھے جاتے تھے سب سے پہلے اٹھے اور انہوں نے اس طوق لعنت کو گلے سے اتارنے کا برسرعام اعلان کر دیا۔ جوش اعلان اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مائیکروفون تک پہنچنے کے لئے بڑے خان بہادروں اور سروں کی قطار لگی ہوئی تھی کہ کب ہمارا نمبر آئے اور ہم ترک خطاب کا اعلان کریں۔

سرفیروز خان نون، سرغلام حسین ہدایت اللہ، سرسعد اللہ خان، سرناظم الدین، نواب زادہ لیاقت علی خان، راجہ غضنفر علی خان، نواب اسماعیل خان، سب ہی تھے۔ جو خطاب واپس کرنے کے لئے لپک رہے تھے۔ جو جوش خطاب حاصل کرنے کے لئے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ خطاب واپس کرنے کا تھا۔۔۔۔

فیض یہ کس کا کرامت کس کی تھی؟

کیا قائداعظمؒ کے سوا، کوئی دوسرا نام بھی لیا جا سکتا ہے؟

یہ کہانی بڑی لمبی ہے، نہ کہنے والے کا جی بھرے گا، نہ سننے والے کا،

ورق تمام ہوا، اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

(رسالہ ماہ نو، کراچی قائداعظم نمبر نومبر ۱۹۴۸ء

مضمون: قائداعظم کی کہانی تحریر رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر ۵۳، ۵۴)

یہ تھی وہ حضرت قائداعظمؒ کی قائدانہ شان و شوکت، ان کے کردار کی بلندی، ان کے خطیبانہ لہجے کا کمال، پرعزم سیاست، پراستقامت سیادت، مومنانہ لگن، اور غازیانہ انداز۔۔۔۔ ان کے انہی اوصاف کی وجہ سے کیا دشمن کیا دوست، کیا غیر کیا اپنے ادب و احترام سے سر جھکائے رہتے تھے۔ مگر ان کا سر صرف باری تعالیٰ کے حضور جھکنا جانتا تھا۔ ان کا لہجہ تیر قضا کی طرح سیدھا،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی گردن، تیر قضا کی طرح سیدھی۔ ان کے نظریات و تخیلات تیر قضا کی طرح سیدھے، ان کی گفتگو میں اثر انگیزی، ان کی چال میں اثر آفرینی تھی ـــــ تاریخ ہند میں کیا باکمال شخصیت پیدا ہوئی تھی۔

ہمیں دکھ اور افسوس ہے تو اس بات کا کہ اس قدر عظیم المرتبت قائد کی زندگی، ان کے اقوال زرین اور ان کی خدمات بے مثل پر جتنا کام ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہو پایا ہم قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد کو بھی بھولے بیٹھے ہیں۔ مقاصد قیام پاکستان کے بعد ختم ہو گئے اور اغراض باقی رہ گئیں ـــــ

وہ قائداعظم ؒ جنہوں نے اپنا سب کچھ اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور آزادی و سلامتی کے لئے قربان کر دیا۔ وہ قائداعظم ؒ جنہوں نے اپنی قوم سے ذاتی غرض کے لئے کبھی ایک پائی بھی طلب نہ کی۔ جنہوں نے اپنی جوانی اپنی کمائی، اپنا حسن و جمال، اپنی عیش و عشرت اور اپنی صحت و تندرستی سب کچھ اپنی قوم کے لئے داؤ پر لگا دیا تھا۔ دوسری طرف ہندو قائدین کا عالم یہ تھا، خواہ ان میں نہرو ہوں یا گاندھی۔ سب کانگریس کے ملازم تھے۔ ان کی تنخواہیں بندھی ہوئی تھیں۔ سالانہ بھتہ ملا کرتا تھا بلکہ یہاں تک کہ گاندھی کی بکریاں بھی کانگریس کے پیسے پر پلا کرتی تھیں۔ اس کے باوجود ان کی قوم نے انہیں سر پر بٹھایا اور آج تک پرستش کرتی ہے۔ بحیثیت ہندو قائد اور لیڈر جتنا گاندھی کا پروپیگنڈہ کیا گیا ہے اتنا شاید دنیا میں کسی لیڈر کا نہیں ہو گا۔

حضرت قائداعظم ؒ جب بمبئی سے مرکزی اسمبلی دہلی میں اسمبلی سیشن کے لئے جاتے تھے تو سپیشل ٹرین میں سپیشل بوگی ریزرو کراتے تھے اور ان کا عملہ ان کے ساتھ ہوتا تھا ٹرین کا اور اپنے تمام عملے کا خرچہ خود برداشت کرتے تھے۔ اور جب وفات پائی تو لاکھوں روپے اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، اپنے سکولوں اور تعلیمی اداروں کو وقف کر گئے ـــــ یہ تھا وہ کردار، یہ تھی وہ انسانی بلندی، یہ تھی وہ قربانی، یہ تھا وہ ایثار، تو کیوں نہ یہ کہا جائے کہ وہ تخلقوا باخلاق اللہ کے سچے اور پکے امانت دار تھے، ان میں کون سی انسانی صفت نہیں تھی جو ان میں موجود نہ تھی، کیا یہ اولیائے کرام جیسی صفات نہیں تھیں، کیا اس طرح کا وطیرہ اور انداز زندگی خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کا نہیں ہوتا ـــــ یہ سعادت انہی کو ہی نصیب ہوئی۔ اور پاکستان انہی کے ہاتھوں معرض وجود میں آیا۔ جو ایک معجزے سے کم نہیں۔

علامہ اقبال ؒ نے فرمایا تھا۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت قائداعظمؒ اور گاندھی کا ایک تجزیاتی مطالعہ اپنے طور پر ایک انتہائی اہم اور ضخیم کتاب کا تقاضا کرتا ہے۔ مگر میں نے چند صفحات پر اکتفا اس لئے کرنا ضروری تصور کیا ہے کہ اس موضوع پر جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ لہٰذا چند مختصر اشارات سے یہ کتاب تحریر کی ہے حضرت قائداعظمؒ اور گاندھی، بچپن سے لے کر جوانی، جوانی سے لے کر بڑھاپا، بڑھاپے سے آخری سانس تک۔ ان دونوں شخصیات کا زندگی کے ہر موڑ اور ہر انداز سے مطالعہ ایک بہت دلچسپ مطالعے کا نام ہے۔ اس گہرے مطالعے، تجزیئے اور تقابل سے یہ سب کچھ واضح ہوتا ہے کہ کون کہاں کھڑا تھا، کون کیا تھا، کون جیتا، کون ہارا، کون شیر مسلم لیگ اور کون گربہ کانگریس تھا۔۔۔۔۔ حیرت ہے کہ آنے والی تاریخ کے روحانی اور تمدنی دھارے یہ سوچ سوچ کر پریشان بھی ہوتے ہوں گے اور مسکراتے بھی ہوں گے۔ کہ ایک ہی برصغیر میں، ایک سی فضا اور ایک سے جغرافیائی ماحول میں اور ایک ہی برطانوی ادارے سے قانون پڑھ کر پروان چڑھنے والی شخصیات کس طرح تاریخ کو ترتیب دیں گی۔ اور تاریخ تحریر کرنے والے، تاریخ تخلیق کرنے والوں کے بارے میں کیا تاثرات و مشاہدات پیش کریں گے۔

گاندھی پر ایک مستند معتبر کتاب جس کا نام ہے۔ "گاندھی اے سٹڈی ان ریوولیوشن" Gandhi-A Study of Revolution

جسے جیوفری ایش نے لکھا ہے۔ گاندھی کی تمام تر زندگی پر ایک بھرپور کاوش ہے اس کتاب میں مصنف گاندھی خاندان کے بارے میں تحریر کرتا ہے۔

"یہ درست ہے کہ ان کا خاندان ملازمت کرتا تھا، وہ ہندو تھے۔ اور گاندھی خاندان کا تعلق کوئی اعلیٰ ذات سے نہ تھا، ہندوؤں کی چار ذاتیں تھیں۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر، جو کہ مزید چھوٹی چھوٹی ذاتوں میں منقسم تھے۔ گاندھی کا تعلق نظریاتی لحاظ سے انتہائی متوسط طبقے سے تھا۔ بنیا کا مفہوم تجارت پیشہ لوگ تھے۔ گاندھی، جو پورے ہندوستان میں ایک عام نام تھا، جس کے معنی سبزی فروش، پرچون فروش تھا، چنانچہ خاندانی پس منظر کے اعتبار سے ان کا یہی پیشہ تھا، لیکن ذات کے لیبل کے اعتبار سے کوئی اوتم چند اور اوتا گاندھی، پوربندر کا وزیراعظم بن گیا۔۔۔۔

اوتا غیر معمولی غیرت و حمیت کا مالک تھا، چنانچہ اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا یا جلاوطن کر دیا گیا۔۔۔۔ چنانچہ اس کے چھ بیٹوں میں سے پانچویں کا نام کرم چند یا کابا تھا۔ کابا بھی پوربندر کا وزیراعظم رہا، اور تقریباً ۲۰ سال کی ملازمت و خدمت کے بعد وہ راج کوٹ اور ونکانیر پر یکے بعد دیگرے بھی وزیراعظم رہا۔۔۔۔ جب وہ راج کوٹ گئے۔ تو ان کے ایک بھائی کو پوربندر کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انچارج بنا دیا گیا۔ راج کوٹ میں کابا اپنی خاندانی معیار اور اخلاقی جرات کے مطابق رہنے کی کوشش کرتا رہا، انہوں نے شہزادے کو، اپنے چیف کو، برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ سے محفوظ رکھنے کی ہر ممکن کوشش بھی کی۔ اور کبھی کبھار نظر بند بھی رہے۔

اس کی دفتری حیثیت تملق اور سازش سے مبرا تھی۔ اس کے علاوہ اس کے برعکس وہ کوئی مضبوط و مستحکم کردار کا مالک نہ تھا۔ ایک موقع پر اس کے تینوں ریاستوں میں علیحدہ علیحدہ مکانات تھے۔ اس کے ہاں بچت کا کوئی تصور نہ تھا و نکانیر کی وزارت عظمیٰ سے کچھ حاصل نہ ہوا تھا، اور یوں اس نے سب کچھ خیرات پر بھی لگا دیا تھا، اور اس سلسلے میں اس کا نظریہ یہ تھا کہ بچوں کے لئے کچھ بنا جانا ایک بری حرکت ہے۔ جذباتی، متلون مزاج اور جنسی خواہشات کا دلدادہ تھا۔

اکتوبر ۱۸۶۹ء میں وہ پور بندر میں رہ رہا تھا، چنانچہ اس مہینے کے دوسرے دن اس کی چوتھی اور آخری بیوی پتلی بائی نے اس کے چوتھے اور آخری بچے کو جنم دیا، اور یہ بچہ، مستقبل کا گاندھی تھا۔۔۔ ایک دست شناس نے انہیں اس بچے کا نام موہن داس کرم چند تجویز کیا۔"

Gandhi-A Study in Revolution

By: Geoffery Ashe P-3

گاندھی کے بچپن کے دنوں کے احوال کے بارے میں جیوفری ایش تحریر کرتے ہیں۔

"اپنے ہی خاندان کے ایک لڑکے کی ہمراہی میں گاندھی اپنے چچا کے سگریٹوں کے کونے اکٹھا کیا کرتے تھے، اور پھر انہیں پیا کرتے تھے، وہ چھپ چھپا کر پیتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کے والدین اس چیز پر اعتراض کریں گے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ کیا کہ اپنے نوکر کی جیب خرچ کی رقم چرائی اور مکمل سگریٹ خریدی، اس طرح کی پابندیوں کی وجہ سے انہوں نے ایک دو مرتبہ خودکشی کرنے کی بھی ناکام کوشش کی۔"

(مذکورہ بالا کتاب کا صفحہ نمبر ۷)

"مہتاب نامی لڑکا گاندھی کو مزید روشن خیالی کی طرف لے گیا۔ یہاں تک کہ اسے قحبہ خانے کی سیر بھی کرائی جسے بعد میں گاندھی نے بہت برا تصور کیا۔ انہی دنوں میں گاندھی نے اپنے بھائی کے سونے کی چین چرالی، اور ان کا قرض اتارنے کی کوشش کی، جس کا اسے کوئی علم نہ تھا۔۔۔

۱۸۸۵ء میں ایک خوفناک حادثے نے اس کے اخلاقی رجحان کو استحکام بخشا، کابا قریب المرگ تھا کستور بائی (مہاتما گاندھی کی بیوی) حاملہ تھی، موہن داس ایک رات اپنے باپ کی مالش کر رہا تھا، مگر اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ جب اس کے چچا نے اسے آرام کے لئے کہا، تو وہ بھاگ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے سونے کے کمرے میں گیا۔ اور کستور بائی پر سوار ہو گیا۔ حالانکہ وہ اس وقت سو رہی تھی کستور بائی حمل کے آخری دور سے گزر رہی تھی۔ جس وقت کہ مناسب نہیں تھا، ایک نوکر نے اسے بلایا، کہ کابا مر رہا ہے، قبل اس کے گاندھی اپنے باپ کے کمرے تک پہنچتا۔ کابا مر چکا تھا۔ اس بیٹے کو چھوڑ کر جسے اس وقت اپنے باپ کے پاس موجود ہونا چاہئے تھا" ــــ

(مذکورہ بالا کتاب، صفحہ نمبر ۱۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر مصنف تحریر کرتے ہیں کہ

"مہاتما گاندھی راج کوٹ کے مسائل میں دلچسپی لینے لگے۔ جب طاعون پھیلنے لگا تو انہوں نے پبلک ہیلتھ کمیٹی کو اپنی خدمات پیش کیں۔ چنانچہ وہ بیت الخلاؤں کی انسپکشن پر لگے رہے۔ اور ان مسائل میں انہیں حسب معمول بہت زیادہ دلچسپی رہتی تھی جس کا یورپ کی بجائے ہندوستان میں بہت ادراک کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک امراء زیادہ صحت و صفائی کا خیال نہیں رکھتے، اور نہ ہی تعاون کرتے ہیں۔ البتہ صاحب ستھری رہائش تو صرف اچھوتوں کی ہے، لہٰذا یہاں انسپکشن کرنا ضروری گردانا نہیں جاتا"

(مذکورہ بالا کتاب، صفحہ نمبر ۶۹)

"خیالوں میں جنس پرستی کوئی بہتر عمل نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے کہ جسم کے ذریعے ہو اگر اس طرح کے خیالات ابھریں تو بہتر ہے کہ انہیں کنٹرول کیا جائے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر بہتر ہے کہ جسم کی بھوک دور کر دی جائے۔"

(مذکورہ بالا کتاب، صفحہ نمبر ۹۴)

(مہاتما گاندھی نے ایک مرتبہ اپنے آپ کو جھٹلا دیا۔ جان ہالینڈ (John Hoyland) میں گاندھی کے انگریز دوست تھے، انہوں نے کستور بائی کے حوالے سے گاندھی کے اعتراف کو اس طرح ریکارڈ کیا۔

"میں نے عدم تشدد کا سبق اپنی بیوی سے سیکھا، اس (کستور بائی) کی مستحکم رکاوٹ جو میرے ارادے پر ہوا کرتی تھی ایک طرف تھی۔ اور دوسری یہ کہ وہ میری حماقتوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیا کرتی تھی۔ جس نے مجھے آخر کار اپنے آپ سے شرمندہ کر دیا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنی حماقتوں کی اصلاح کرنے پر سوچنا شروع کر دیا۔ چونکہ کستور بائی پر حکمرانی میرا حق تھا، لیکن بالآخر وہ میری عدم تشدد کی استاد بن گئی۔ اور یہ سبق مجھے جنوبی افریقہ میں کام آیا" ــــ

(مذکورہ بالا کتاب، صفحہ نمبر ۱۸۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"رام کرشن کی یادیں اب ان کے ذہن میں تلاطم خیز تھیں، اور جب کہ وہ پریشانی کے عالم میں تھے، تو ان کی زندگی میں ایک پرسکون پسندیدگی در آئی۔ ان کا تجرباتی مزاج کے مطابق، وہ اپنے آپ کو اس وقت بھی حسین کستور بائی کے ساتھ اسی سونے کے کمرے میں محسوس کرتے تھے، ایک دوسرے کے پاس خاموش مصاحبت میں آرام کر رہے ہوں۔"

(مذکورہ بالا کتاب، صفحہ نمبر ۲۶۱)

(ونسٹن چرچل نے گاندھی کے بارے میں بڑے شرانگیز اور بدقسمتی پر مبنی ان کے کردار کے بارے میں فقرے استعمال کئے ہیں۔ "یہ خبردار کرنے والا اور کربہہ عمل ہے کہ گاندھی کو دیکھا جائے، ایک باغیانہ درمیانے درجے کا وکیل، جو اپنے آپ کو ایک فقیر کی شکل میں رکھتا ہے، جیسا کہ مشرق میں ممکن ہو سکتا ہے۔ جو آدھا ننگا وائسریگل پیلس میں آتا ہے۔ اور اس کے باوجود وہ گستاخانہ لہجے کے ساتھ معاشرتی حکم عدولی کو اپنائے ہوئے ہے۔ اور برطانوی شہنشاہ کے نمائندے کے ساتھ گفت و شنید کرتا ہے۔"

Gandhi A Study in Revolution

By Geoffrey Ashe.P296

ان مختصر حوالہ جات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاتما گاندھی کا قد کاٹھ کیا تھا، اصلیت و حقیقت کیا تھی، یہ مختصر حوالے صرف اس لئے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ موضوع زیادہ طویل نہ ہو جائے۔ وگرنہ مذکورہ بالا کتاب میں گاندھی پر ایک مستند اور حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جو سب کا سب تحریر کرنا خاصا مشکل ہے۔

حضرت قائداعظمؒ کی سوانح پر تحریر کرنے والے، مشرقی اور مغربی مصنفین کیا اپنے اور کیا پرائے۔ اس طرح کے تصورات و خیالات نہ رکھتے تھے۔ انہیں ضدی اور ہٹ دھرم تو ضرور سمجھا جاتا رہا۔ اور یہ بھی خصوصاً ان مغربی مصنفین کی آراء تھیں۔ صرف اس لئے کہ وہ ان کے دام فریب میں نہ آسکتے تھے۔ مسلمانان ہند اور ان کی فلاح و بہبود، ان کی آزادی و خود مختاری ان کے یہاں سب سے زیادہ عزیز شے تھی ـــــ ان کی شخصیت پرکشش، ان کا لباس اعلیٰ درجے کا، ان کے بوٹ خوبصورت، ان کی عادات و اطوار ستھری ستھری، نکھری نکھری، زندگی اور اس کے انداز کے بارے میں بڑے واضح، آنکھوں میں نور کی شعاعیں۔ جس نے ایک مرتبہ ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کیا ہے، وہ انہی کا ہو کے رہ گیا، اللہ تعالیٰ نے کس بلند ضمیر و خمیر کا انسان پیدا کیا تھا۔

فاطمہ جناح اپنی کتاب "میرا بھائی" میں تحریر کرتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"محمد علی کو بمبئی کے انجمن الاسلام سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ کچھ عرصے تک محمد علی نے اپنی کتابوں پر سنجیدگی سے توجہ دی۔ چنانچہ انہوں نے گجراتی کی چوتھی جماعت پاس کر لی۔ اس طرح وہ انگریزی کی پہلی کلاس میں داخلہ لینے کے اہل ہو گئے۔ ادھر والدہ کا اپنے چہیتے بیٹے کی جدائی میں برا حال تھا بالآخر ماں کی محبت باپ کی منطق پر غالب آ گئی اور محمد علی بمبئی سے کراچی واپس آ گئے۔

میرے والد نے انہیں ایک مرتبہ سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل کرا دیا سکول کے رجسٹر کے مطابق اس مرتبہ ان کا داخلہ نمبر ۱۷۸ تھا۔ ۲۳ر دسمبر ۱۸۸۷ء تاریخ داخلہ تھی۔ گزشتہ تعلیمی ادارے کے خانے میں انجمن الاسلام سکول بمبئی کا نام درج ہے۔

اب تک محمد علی کو جنون کی حد تک گھڑ سواری کا شوق ہو چکا تھا۔ میرے والد کے پاس سواری کے لئے کئی بگھیاں تھیں، جو اس زمانے کے مطابق سواری کا ایک رئیسانہ ذریعہ تھیں، موٹر کاروں کا دور ابھی بہت دور تھا۔ میرے والد کے اصطبل میں کئی شاندار گھوڑے تھے، محمد علی نے جلد ہی گھڑ سواری سیکھ لی۔ وہ اس کھیل سے بے حد محظوظ ہوتے تھے۔ سکول میں ان کے ایک دوست ہوا کرتے تھے کریم قاسم۔ جو کھارادر ہی کے ایک تاجر کے بیٹے تھے۔ دونوں لڑکے روزانہ دور تک گھڑ سواری کیا کرتے تھے۔

محمد علی اپنے گھوڑوں سے پیار کرتے تھے جو گردن تان کر سیدھے کھڑے ہوتے تھے، اور طاقت اور خود اعتمادی کے مظہر ہوا کرتے تھے، انہوں نے دیکھا کہ فطرت کے قاعدے کے تحت زندگی ہمیشہ عمودی خطوط پر استوار ہوتی ہے گھوڑے سیدھے اور تن کر کھڑے ہوتے ہیں، درختوں کا حال بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ شاخوں پر پھول عموداً کھلتے ہیں، انسان سیدھا کھڑا ہو کر چلتا ہے اسی طرح پرندے اور درندے بھی۔ گنبد اور مینار آسمان کو چھو لینے کی تمنا کرتے ہیں۔ انہوں نے زندگی میں اصول بنا لیا کہ وہ نہ صرف سامنے دیکھیں گے بلکہ اپنا سر بھی بلند رکھیں گے۔ وہ مشکلات کے آگے نہیں جھکیں گے بلکہ ان کا چیلنج قبول کر کے ان پر قابو پا لینے کی جدوجہد کریں گے۔ وہ صنوبر کے اونچے درخت کی مانند بنیں گے کہ طوفان جسے چھو سکتے ہیں۔ مگر جھکا نہیں سکتے.....

وہ سکول میں اپنے دن امتحان میں کامیابی کی کوششوں میں گزارنے لگے۔ ان کی شامیں گھڑ سواری کے لئے وقف تھیں۔ مگر تبدیلی کی جانب ان کا رجحان ایک بار پھر غالب آیا۔ اور انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ وہ انہیں کسی دوسرے سکول میں داخل کرا دیں۔ کچھ بحث و مباحثہ کے بعد میرے والد نے ایسا کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اب ان کی عمر پندرہ برس ہو چکی تھی اور میرے والد اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں فکر مند ہونے لگے۔ انہیں حیرت ہوتی تھی کہ آخر ان کا بیٹا کیا بنے گا۔

گراہمز ٹریڈنگ کمپنی کے انگریز جنرل منیجر نے جو اب تک میرے والد کا بہت اچھا دوست بن چکا تھا۔ پیش کش کی کہ وہ نوخیز محمد علی کو لندن میں اپنی فرم کے صدر دفتر میں تین سال کے لئے اپرنٹس کے طور پر بھیجوا سکتا ہے۔ وہاں اسے کاروبار کا نظم و نسق چلانے کی عملی تربیت دی جائے گی، یہ تربیت لندن سے واپسی پر محمد علی کے لئے اپنے والد ہی کا کاروبار سنبھالنے میں بہترین معاون ثابت ہو گی۔ جنرل منیجر کو یقین تھا کہ اس مرحلے پر یہ نوجوان اپنے والد کے لئے بہت بڑا اثاثہ ثابت ہو گا اور وہ کاروبار کو مزید پھیلانے میں والد کا مددگار بنے گا۔ اس تجویز پر خوشحال تاجر کا دل بے حد خوش ہوا جو قائل ہو چکا تھا کہ لندن میں ایسے بھرپور عملی تجربے کے بعد ان کا بیٹا خاندانی کاروبار میں یقیناً چند نئی اور منافع بخش راہوں کا اضافہ کرے گا۔۔۔

مگر ان کے لئے اصل مسئلہ یہ تھا کہ اس کام پر کتنا روپیہ صرف ہو گا جس کے بعد طویل عرصے کے دوران تو شاید ان کے خاندان کو فوائد حاصل ہوں۔ مگر بیٹے کو اس قسم کی تربیت دلانے سے فوری طور پر فائدے کی بہرحال کوئی امید نہ تھی میرے والد نے اپنے انگریز دوست سے پوچھا کہ کراچی سے لندن تک سفر کے اخراجات کے علاوہ لندن میں قیام و طعام پر انہیں ماہانہ کس قدر رقم خرچ کرنا پڑے گی۔ متوقع اخراجات کے اعداد و شمار کا تفصیل اور احتیاط سے جائزہ لیا گیا۔ اگرچہ تین سال کے دوران خرچ کی جانے والی مجموعی رقم خاصی تھی مگر والد نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ میسرز گراہمز کے پاس لندن میں یہ رقم پیشگی جمع کرا سکتے ہیں۔ تاکہ ان کا بیٹا اپنی تربیت تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکے۔"

مگر میری والدہ بدستور اپنے موقف پر قائم تھیں، وہ اپنے لاڈلے بیٹے کو تین برس کے لئے کس طرح خود سے جدا کر سکتی تھیں، والد نے انہیں سمجھایا کہ محمد علی کو لندن بھیجنا نہ صرف خود ان کے نوجوان بیٹے کے بلکہ خاندانی کاروباری فرم جناح پونجا اینڈ کمپنی کے بھی مفاد میں ہو گا۔ ان کے نزدیک کسی غیر شادی شدہ نوجوان کو انگلستان بھیجنا خطرے سے خالی نہیں ہو سکتا تھا۔ خاص طور پر محمد علی جیسے خوبرو نوجوان کا غیر شادی شدہ حالت میں وہاں جانا بالکل ٹھیک نہیں تھا، والدہ کو اندیشہ تھا کہ محمد علی انگلستان میں کسی انگریز لڑکی سے شادی نہ کر لیں، اور اگر ایسا ہوا تو یہ جناح پونجا خاندان کے لئے ایک سانحہ کا باعث ہو گا۔ والد ان کے دلائل سے متفق ہو گئے۔ مگر اب سوال یہ اٹھا کہ محمد علی کی شادی کہاں کی جائے۔۔۔

میری والدہ کے پاس اس سوال کا جواب پہلے ہی تیار تھا۔ وہ پانیلی کے ایک اسماعیلی خوجہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کو جانتی تھیں۔ جن سے ان کی دور کی رشتہ داری تھی۔ ان کی ایک لڑکی ایمی بائی شادی کے سن کو پہنچ چکی تھی، والدہ کے خیال میں وہ محمد علی کی دلہن بننے کے لئے بالکل موزوں تھی۔ میرے والد کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ مگر والدین نے مناسب سمجھا کہ وہ اپنے بیٹے کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیں۔ اس زمانے میں بچوں کی شادیاں والدین ہی طے کیا کرتے تھے۔ لڑکی اور لڑکے کے پاس بڑوں کا فیصلہ قبول کر لینے کے سوا کوئی اور دوسرا راستہ نہیں ہوتا تھا۔ یقیناً والدین جانتے تھے کہ ان کے بچے کے لئے کیا بہتر ہے۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق انہوں نے ایک فرمانبردار بیٹے کی حیثیت سے اپنے والدین کا فیصلہ قبول کر لیا۔ اس طرح ان کی منگنی پانیلی کی ایمی بائی سے ہو گئی" ــــــ

(میرا بھائی، مصنفہ: فاطمہ جناح، صفحہ ۳۰، ۳۶)

نظر نہ آنے والے سفید دھاگوں پر پروئی پھولوں کی لمبی لمبی لڑیوں میں سر سے پاؤں تک چھپے ہوئے محمد علی پانیلی میں اپنے دادا کے گھر سے دولہا بن کر بارات کے جلوس کے ہمراہ اپنے ہونے والے سسرال کے گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ جہاں چودہ سالہ ایمی بائی قیمتی نئے ملبوس اور بھاری بھرکم زیورات پہنے، ہاتھوں میں مہندی رچائے دلہن بنی بیٹھی تھی۔ اس کے لباس اور چہرے پر نہایت قیمتی عطر چھڑکا ہوا تھا، گاؤں کے مولوی نے رسم نکاح ادا کی قرآن پاک سے چند آیات کی تلاوت کی گئی اور یہ دونوں میاں بیوی بن گئے" ــــــ

(میرا بھائی، مصنفہ: فاطمہ جناح۔ صفحہ نمبر ۳۸)

"میری والدہ بیٹے سے تین سال کی جدائی کے تصور ہی سے کھوئی کھوئی رہتی تھیں، ان کے لئے یہ بہت طویل عرصہ تھا۔ مگر انہوں نے اس جدائی کو محمد علی کی بہتری کے خیال سے قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا "میرے بیٹے مجھے تم سے جدا ہونا پسند نہیں۔ مگر مجھے یقین ہے کہ انگلینڈ جا کر تم بڑے آدمی بن جاؤ گے، یہ میری زندگی کا خواب ہے۔" ان کا بیٹا خاموشی سے ماں کی باتیں سنتا رہا۔ انہوں نے کہا۔ "محمد علی تم ایک طویل سفر پر جا رہے ہو۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں انگلینڈ سے واپس آتا دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہوں گی" اور اس کے بعد وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگیں۔ محمد علی نے جذباتی ہو کر والدہ کو گلے لگا لیا۔ میری والدہ نے بیٹے کو الوداع کہا۔ "محمد علی، خدا تمہاری حفاظت کرے گا، وہ میری خواہش ضرور پورا کرے گا۔ تم بڑے آدمی بنو گے اور مجھے تم پر فخر ہو گا" ــــــ

(میرا بھائی ــ مصنفہ فاطمہ جناح، صفحہ نمبر ۴۰، ۴۱)

"قائد کی عمر تقریباً ۱۸ برس تھی، جب وہ اپنی ماں اور اپنی بیوی سے محروم ہو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکے تھے اور اب وہ جان چکے تھے کہ ان کا عمدہ خاندانی کاروبار جسے ان کے والد نے بے پناہ محنت اور جاں فشانی سے کھڑا کیا تھا۔ تباہی کے کنارے پر پہنچ چکا تھا بعض اوقات زندگی کے بڑے بڑے صدمات اور ٹھوکریں بعض افراد کی غیر معمولی اور خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیا کرتی ہیں۔ قائد نے اپنے خاندان کے نام روشن کرنے کے لئے ان مصائب اور نقصانات کا مقابلہ یونانی فلسفی زینو کے ایک ہیرو کار کی سی جرات سے کیا۔ اور کامیابی کا عزم کیا۔ اب انہوں نے اپنا نام بدل کر "ایم اے جناح" کر لیا۔

بنک کی پاس بک سے پتہ چلتا ہے کہ مسز ایف سی پیج ڈریک کو معاوضے پر رہنے والے مہمان کی حیثیت سے دس پونڈ ماہانہ ادا کرتے تھے۔ بعد کے دنوں میں وہ کہا کرتے تھے کہ مسز پیج ڈریک ایک مہربان بوڑھی خاتون تھی جس کا کنبہ کافی بڑا تھا۔ وہ خاص طور پر ان سے بڑی محبت کرتی تھی اور انہیں اپنے بیٹے ہی کی طرح سمجھتی تھی۔ مسز ڈریک کی ایک انتہائی حسین و جمیل بیٹی تھی، جو قائد کی ہم عمر تھی۔ خوبرو مس ڈریک میرے بھائی سے بہت التفات رکھتی تھی۔ مگر وہ اس ٹائپ کے نہیں تھے جو اس قسم کے معاشقوں وغیرہ میں خود کو ملوث کرتے۔ جب کہ مس ڈریک میرے بھائی پر خصوصی توجہ دیتی تھی۔ وہ ہر وقت ان کا دل جیتنے کی کوشش میں لگی رہتی تھی۔ مگر وہ ہمیشہ اس کے ساتھ قابل احترام حد تک فاصلہ رکھتے تھے۔ مس ڈریک کبھی کبھی اپنے گھر میں مخلوط پارٹیاں بھی کرتی تھی اور ان میں دوسرے کھیلوں کے ساتھ ساتھ وہ اپنے مہمانوں کے لئے مغربی انداز کے اس خصوصی کھیل کا بھی اہتمام کرتی تھی جس میں کسی خاص جگہ پر چھپنے والے کے پکڑے جانے کی صورت میں جرمانہ کی صورت میں بوسہ لینا پڑتا تھا۔ مس ڈریک کی مسلسل ترغیبات کے باوجود قائد بوسہ بازی کے اس کھیل میں کبھی شامل نہ ہوئے۔ قائد نے مجھے بتایا "کرسمس کا موقع تھا اور ڈریک خاندان اسے روایتی جوش و خروش سے منا رہا تھا۔ جیسا کہ عیسائی خاندانوں میں رواج ہے آکاس بیلیں گھروں کے دروازوں پر لٹک رہی تھیں جن کے نیچے ان لوگوں کو ایک دوسرے کا بوسہ لینے کی اجازت ہے میں اس رسم سے بے خبر نہیں تھا اور اتفاق سے ایک آکاس بیل کے نیچے کھڑا تھا کہ مس ڈریک نے مجھے پکڑ کر گلے لگا لیا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کا بوسہ لوں۔ میں نے اس کی سرزنش کی اور کہا کہ ہمارے معاشرے میں نہ تو ایسا کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت ہے مجھے خوشی تھی کہ میں اس کے ساتھ اس انداز میں پیش آیا تھا۔ کیوں کہ اس روز کے بعد مجھے اس کی نخرے بازی کی الجھن سے نجات مل گئی۔"

(میرا بھائی ـ مصنفہ فاطمہ جناح، صفحہ نمبر ۵۰،۵۱)

محمود فاروقی صاحب نے کیا خوب تحریر کیا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"جیسا کہ سب جانتے ہیں گاندھی بنیوں کی روائتی تاجرانہ ذہنیت کا بے عیب مظہر تھا۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کی چالاک نسل سے معاملہ کرنے میں گاندھی جیسی شخصیت ہی کی ضرورت تھی جو باٹ پاسنگ کی سیاست کے امور سے اتنا ہی باخبر تھا جتنا یہ سمندر پار کے تاجر حکمران تھے۔ اس معاملہ میں کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہئے کہ اگر گاندھی نہ ہوتا تو ہندوستانی سیاست کی ترازو پر آزادی کا سودا چکانے میں شاید نصف صدی اور نکل جاتی۔ گاندھی نے ہماری غلامی کے پچاس برس بچائے۔ ایک ملک پر ایک شخص کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے۔ بہرحال ہندوستانی سیاست کے اس وقت کے کینوس پر ہم کو دو چالاک اور ہوشیار تاجر اجتماعی مقدرات میں سے ایک اہم ترین مقدر کا سودا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس سودے کا جزو لاینفک مگر زائد اوزان پاسنگ مسلمان قوم ہے جو ان دونوں سے سودا بازی میں فیصلہ کن قدر بنی ہوئی ہے۔ دونوں اس کو اپنے اپنے پلڑے میں ڈال لینے کے لئے بڑے فنکارانہ لین دین میں مصروف ہیں۔ اس وقت کانپور کی مسجد شہید گنج سے لے کر تحریک خلافت کے آخری سٹیج تک سارا ملک مسلمانوں کے والہانہ پرجوش نعروں سے گونج ضرور رہا تھا اور ان کے قدموں کی چاپ سمندر پار دور دور تک پہنچ رہی تھی مگر اصل سودا بازار کے اس شور و شغب سے دور ایک جانب سرد اور خاموش فضا میں ان دو تاجروں کے درمیان طے پا رہا تھا جہاں باہر کے یہ ہنگامے کسی صورت اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔

اس پس منظر میں ذرا اپنی یادداشت کو تازہ کر کے سوچئے اس پس پردہ فنکارانہ سودا بازی میں مداخلت کرنے، دونوں فریقوں کی مسلمہ قدروں کو پراگندہ کر دینے، ایک نیا معیار ردو بدل کروانے اور اس طرح مسلمانوں کے پاسنگ کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کے لئے کس مزاج کس ڈھب اور کن صلاحیتوں کے انسان کی ضرورت تھی؟ کیا محمد علی جوہر کا آتش زیر پا ھیولی اور ان کی گرجتی و نجتی قیادت اس کی متحمل ہو سکتی تھی کیا ظفر علی خان کا سیماب پا مزاج اور ان کی تند جھکڑوں والی صحافت مناسب حریف بننے کے قابل تھی، آزاد مرحوم اور مولانا مدنی کا کیا ذکر یہ دونوں تو سادہ دستاویز پر دستخط کر کے اپنی اور اپنی قوم کی ہنڈی گاندھی کے ہاتھ تھما چکے تھے اور بچارا حسرت موہانی وہ تو بس باد سموم کا ایک بے قرار جھونکا تھا جو سارے ہندوستان میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ اب رہ گیا تھا چند پنجاب کے اور چند بنگال کے رہنما مگر ان کا ذہنی افق اپنے اپنے صوبہ کی حد تک ہی وسیع تھا اس سے آگے نہیں۔ اس موقع پر سات کروڑ کی یہ کثیر العیال قوم ایک فرزند کی آرزو میں بے قرار تھی۔

وہ آرزو پوری ہوئی اور جناح صاحب سامنے آئے۔ ان کی چال جتنی نپی تلی تھی ان کا مزاج

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی اتنا ہی نپا تلا تھا۔ جیسے وہ "پیدا" نہ ہوئے ہوں بلکہ کسی فارمولے کے تحت پورے حساب کتاب، اجزاء کے توازن، مقدار اور اعداد کے تناسب کے ساتھ "تیار" کئے گئے ہوں ایک ساختہ پرداختہ شخصیت جو کبھی بے ساختہ وجود میں نہیں آ سکتی ـــــ انہوں نے سودا بازی کی اس ٹھنڈی اور سخت میز پر مکے نہیں مارے، ہنگامہ نہیں کیا، شور نہیں مچایا، چیخے چلائے نہ منہ سے جھاگ اڑایا۔ وہاں باتیں کہیں تو تول تول کر، خاموش رہے بھی تو حساب کتاب سے، کیونکہ وہ اپنے قدموں کی گنتی اور اپنی نشست کے زاویہ سے جس قدر باخبر رہتے تھے اتنے ہی وہ اپنے دہانہ کے ناپ اور باتوں کے حجم سے بھی واقف تھے ـــــ

گاندھی کے لئے یہ محمد علی جوہر، ظفر علی خان، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، حسین احمد مدنی سے مختلف شخصیت تھی۔ اسی کی طرح ٹھنڈی ٹھوس، جامد اور ہٹ دھرم اس کو کس طرح دھوکہ دیا جا سکتا تھا وائسرائے نے دیکھا تو وہ اسے "دارالعوام" ہی نہیں بلکہ "دارالامراء" کی دھج کے آدمی نظر آئے لئے دیئے سرد مہر پروقار اور سخت کالر لگانے والے، ان کو کس طرح جھکایا جا سکتا تھا۔ دونوں اس میز پر ایک تیسرے شخص کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بس یہی وہ ایک پہلی شکست تھی جو جناح نے گاندھی کو دی اور آئندہ کی چند در چند کامیابیوں کا راستہ کھول دیا ـــــ

تفصیل کا یہ موقع ہے کہ نہ انداز بیان متحمل، مختصر کہ جب جناح صاحب جہاں سے اٹھ کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان کے ہاتھ میں جداگانہ قومیت ملک کی سیاسی تقسیم، ایک جداگانہ تہذیبی وطن کے تنصیبات اور تحفظات تھے۔ ہندوستان کی سیاسی جدوجہد میں یہ کارنامہ جو جوش میں لانے والا نہیں بلکہ متحیر کر دینے والا تھا صرف جناح صاحب کے لئے مخصوص تھا اور وہ اس کے لئے "پیدا" نہیں بلکہ بنائے گئے تھے۔ اپنے اس کارنامہ کے ذریعہ انہوں نے مسلمان قوم کو مزید ایک بڑی غلامی سے بچا لیا۔ ایک قوم پر ایک شخص کا اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہو سکتا ہے ـــــ

(اردو نامہ ـــــ مجلس زبان دفتری، حکومت پنجاب، اپریل ۱۹۹۲ء
مضمون ہر گاندھی را جناح (خاکہ)

تحریر محمود فاروقی صفحہ ۳۳، ۳۲ ایس عبداللطیف کی کتاب The Great Leader "دی گریٹ لیڈر" کے مطالعے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت قائداعظمؒ اور گاندھی کیا تھے اور حضرت قائداعظمؒ کی شخصیت و کردار کتنا بلند تھا۔ جناب ایس عبداللطیف نے یہ کتاب ۱۹۴۶ء میں لکھی۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے حضرت قائداعظمؒ اور گاندھی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی کے ہر پہلو اور ہر انداز سے جس طرح حقیقت پسندانہ اور بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ وہ نہایت قابل ستائش ہے۔ ان دو بڑے زعمائے کرام کے ضمن میں یہ کتاب انتہائی اہمیت کی مالک ہے ـــــ گو اس ساری کتاب کے اقتباسات کا یہاں ذکر بہت مشکل ہے۔ لیکن چند ایک حوالے دے کر قارئین کرام پر یہ واضح کروں گا کہ برصغیر کے ان دو عظیم سیاست دانوں کا قد کاٹھ کتنا تھا اور حضرت قائداعظمؒ کس طرح بلاشک و شبہ عظیم المرتبت حیثیت کے مالک تھے۔

"انگلستان میں نوجوان جناح کے چار سال، تاریخ کا ایک اہم ترین حصہ قرار پائے ہیں۔ دادا بھائی نوروجی کی کاوشوں سے اور ان کے نوجوان ساتھیوں کی وجہ سے ہندوستان برطانوی سیاست میں چمکا ـــــ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۸۹۲ پاس ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے انتخابی بنیاد پر انڈین پروانشل کونسلز کو وسعت دی گئی۔ جس سے ہندوستان دستوری ترقی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ جان بل کا خیال تھا کہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو بہتر سلوک سے ہمکنار کیا جائے چنانچہ رائے عامہ، ہندوستان کے باشندوں کی وجہ سے ہموار اور متاثر ہوئی۔ دیگر ہندوستانی طلباء کی طرح نوجوان جناح نے بھی اپنا کردار ادا کیا، دادا بھائی نوروجی لندن میں انڈین سوسائٹی کے بانی صدر تھے، اس سوسائٹی کے باعث بہت سے ہندوستانی طلباء کھنچے چلے آئے ان پر یہ واضح کر دیا گیا کہ ان کو اس مرحلے میں شامل کرنا دراصل ہندوستانی سیاسی کشمکش میں حصہ ادا کرنا ہے۔ اس دوران میں ایک نئے ہندوستان کی تخلیق کا سلسلہ محسوس کیا گیا ـــــ

جب کہ مسٹر جناح اس انتہائی ترقیاتی ماحول میں رہ رہے تھے اور اس سے لطف اندوز بھی ہو رہے تھے۔ مسٹر گاندھی نے اس کے برعکس دو سال پہلے بے کیف اور عدم توجہی کی زندگی بسر کی۔ مسٹر گاندھی نے کتابوں کے مطالعے پر بہت محنت کی اور غذائیت کے ضمن میں حقائق پر مبنی تجربات کئے۔ اس کے برعکس مسٹر جناح کی زندگی بالکل مختلف حیثیت رکھتی تھی۔ مسٹر جناح کے سوانح نگار مسٹر مطلوب الحسن سید نے ایک مرتبہ اپنے قائد سے پوچھا کہ اس زمانے میں لنکنز ان کا کورس یا سلیبس کیا تھا، انہوں نے مزاح کے رنگ میں فرمایا کہ یہ "بیس ڈنرز یا اس سے کچھ زیادہ نہیں تھا جو ایسے زعمائے کرام کے لئے یا مستند وکلاء کو دیئے گئے ہوں ـــــ جب کہ "بونا" گاندھی، اپنی تعلیم کے دوران کوئی خاص کامیابی سے ہمکنار نہ ہوا تھا۔ حالانکہ وہ بہت محنت مشقت سے کام کرتے تھے۔ ان کے برعکس "دیو قامت" حضرت قائداعظمؒ ہمیشہ تعلیم کے میدان میں امتیازی حیثیت حاصل کیا کرتے تھے۔

گاندھی اپنے بچپن کے زمانے میں انگریزی ڈانس کا سوانگ بھرا کرتے تھے۔ تو حضرت قائداعظم اپنے بچپن کے زمانے میں ڈرامے میں بڑی دلچسپی لیا کرتے تھے۔ وہ شیکسپیرین ڈرامیٹک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کلب کے ممبر بھی رہے اور یہ سارا سلسلہ شوقیہ تھا۔ نوجوان جناح شیکسپیئر سے متاثر تھے تو ان کے برعکس گاندھی گیتا میں ڈوبے رہتے تھے۔"

(دی گریٹ لیڈر، مصنفہ ایس عبدالطیف صفحہ نمبر ۱۷)

"حضرت قائداعظمؒ جب بمبئی میں تھے تو انہوں نے خوب کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور مسٹر گاندھی بمبئی سے راج کوٹ بھاگ گئے اور بعد میں جنوبی افریقہ کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں "قلی وکیل" بن گئے، جناح نے ابتدائی محنت سے فتح حاصل کی۔ اور مسٹر گاندھی ہار گئے۔ مسٹر جناح کا فرمان تھا کہ کردار، جرات، محنت اور تحمل و تدبر، چار ایسے ستون ہیں جن پر تمام زندگی کی عمارت کا دار و مدار ہوتا ہے، ناکامی کا لفظ میرے ہاں نہیں ہے۔" وہ نپولین کی طرح گرجتے تھے۔ مسٹر گاندھی کے ہاں اس طرح کا فلسفہ حیات نہیں ملتا۔۔۔۔"

(دی گریٹ لیڈر، مصنفہ ایس عبدالطیف، صفحہ نمبر ۲۱)

"جب گوکھلے جنوبی افریقہ گئے۔ وہ اپنا سکارف ساتھ لے گئے جو انہیں مہادیو گووند رینیڈ نے دیا تھا جسے وہ خصوصی تقریبات میں استعمال کرتے تھے۔ ایسی ہی تقریبات میں ایک تقریب وہ تھی جس میں جوہنسبرگ کے ہندوستانی باشندوں نے ان کو کھانے پر دی تھی، سکارف پر استری کی ضرورت تھی، اس وقت سکارف کو لانڈری بھیجنے کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ مسٹر گاندھی نے اپنی خدمات پیش کیں۔ گوکھلے نے کہا کہ "میں بحیثیت وکیل آپ کی حیثیت پر تو ایمان رکھتا ہوں، لیکن بحیثیت ایک دھوبی کے نہیں"

یقیناً گوکھلے کو غلط فہمی ہوئی تھی۔ مسٹر جناح نے کہا، مسٹر گاندھی نے بذات خود بھی کہا ہم مسٹر گاندھی کی حیثیت کو بحیثیت دھوبی تو تسلیم کر سکتے ہیں۔ لیکن بحیثیت ایک وکیل نہیں۔ گوکھلے نے بھی یہ بات تسلیم کر لی ہوگی۔ کیونکہ گاندھی نے ان کا سکارف خوب صورت استری کیا تھا، حالانکہ وہ عدالت میں اس طرح بہترین کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر سکتے تھے۔۔۔۔

(دی گریٹ لیڈر، مصنفہ ایس عبدالطیف صفحہ نمبر ۲۸۔ ۲۹)

سٹینلے والپرٹ اپنی کتاب Jinnah of Pakistan میں رقمطراز ہیں۔ "ایک مہینے سے بھی کم وقت ہوا تھا، گاندھی نے جناح کو خط لکھا کہ انہیں (جناح) ایک ریکروٹمنٹ کے بارے میں بڑا پرزور اعلان کرنا چاہئے۔ چنانچہ گاندھی نے موقف یہ اختیار کیا کہ آپ یہ محسوس نہیں کر سکتے کہ ہر ایک ہوم رول لیگر ایک مضبوط اور مستحکم ریکروٹنگ ایجنسی بن جائے اور ساتھ ہی دستوری جنگ برائے حقوق بھی جاری رکھے تو ہمیں یقین ہے کہ کانگریس لیگ سکیم پاس ہو سکتی ہے۔ لہٰذا آپ (جناح) ریکروٹنگ آفس سے رابطہ قائم کریں۔ تو ہر بات آپ پر واضح ہو جائے گی۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی کا یہ خط عجیب و غریب تھا اور اس کا جواب دینے کے لئے جناح کو غم زدہ کر دیا تھا گاندھی نے جب گجرات کے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک ریکروٹنگ کے کام کو جاری رکھا۔ تو اس وقت انہیں جناح کی ریکروٹنگ کے بارے ذہنی حیثیت و کیفیت کی تعریف کرنی پڑی۔

گاندھی نے کہا کہ جب ہی میں نے اپنا کام شروع کیا میری آنکھیں کھل گئیں، اور میری خوش فہمی کو سخت دھچکا لگا۔ ہم جہاں بھی گئے ہم نے اجلاس منعقد کئے۔ لوگوں نے شرکت کی لیکن ایک یا دو سے زیادہ افراد نے ریکروٹمنٹ کے لئے اپنے آپ کو پیش نہ کیا۔ اور لوگوں نے ہم سے یہ پوچھا کہ آپ (گاندھی) اہمسا کے علمبردار ہیں۔ تو پھر ہمیں ہتھیار اٹھانے کے لئے کیوں کہتے ہیں۔ حکومت نے کون سا ہم سے بھلا کیا ہے کہ ہم اس کے ساتھ تعاون کریں۔ اور اسی طرح کے اور سوالات ہم سے پوچھے گئے۔

(Jinnah of Pakistan

By Stanley Wolpert.)

گاندھی نے قدم قدم پر حضرت قائداعظمؒ کی معاملہ فہمی، سیاسی بصیرت اور قانونی اور دستوری قابلیت و صلاحیت کو محسوس کیا، مگر دل سے کبھی تسلیم نہ کیا۔ مجبوری کے عالم میں زبان سے خود بھی اقرار کیا۔ لیکن اندر سے ہندو ذہنیت کا مظاہرہ ضرور کرتے رہے۔

"اتوار جنوری ۱۹۳۰ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کی طرف سے "پورنا سوراج" کا دن منانے کا اعلان کیا گیا۔ جس میں یہ قرارداد پیش کی گئی۔ "ہمیں یقین ہے کہ ہندوستان برطانیہ سے اپنے تعلقات ختم کر لے گا اور "پورنا سوراج" یا مکمل آزادی حاصل کر لے گا" یہ قرارداد پورے ہندوستان میں پڑھ کر سنا دی گئی۔ جناح اپنے پروقار اور بلند و بالا، پرسکوت گھر مالابار ہل سے ہر ایک لمحے کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

جناح نے گاندھی پر الزام لگایا کہ انہوں (گاندھی) نے اچانک ایک سیاسی ہیجان پیدا اور برپا کر دیا ہے۔ جسے جناح نے عوامی سطح پر کانگریس کا نیا پروگرام تصور کیا۔ سپرو نے جناح کو ۱۵ر جنوری ۱۹۳۰ء میں خط لکھا۔ "کہ میں نے آج آپ کا انٹرویو پریس میں پڑھا۔ میں مکمل طور پر آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ کہ کانگریس پاگل ہو گئی ہے۔ اور ان کا پاگل پن سارے ہندوستان کو تباہی اور عذاب سے ہمکنار کر دے گا۔"

(Jinnah of Pakistan

By Stanley Wolpert. P113-114

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سٹینلے والپرٹ نے اپنی اس مذکورہ بالا کتاب میں حضرت قائداعظمؒ کے بارے میں بے لاگ تاثرات بیان کئے ہیں۔ اور بلاشک وشبہ حضرت قائداعظمؒ کو گاندھی کے مقابلے میں ایک عظیم المرتبت، قابل صد احترام سیاست دان ثابت کیا ہے۔ بے شمار ایسے واقعات ہیں۔ جو اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں تمام کا ذکر طوالت موضوع کا باعث بنے گا۔ سٹینلے والپرٹ ایک امریکن پروفیسر ہیں۔ جنہوں نے مذکورہ بالا کتاب بڑی محنت اور خاصی تحقیق و تفحص سے تحریر کی ہے۔ اور اپنے ذاتی تاثرات و تصورات پیش کئے ہیں۔ انہوں نے حضرت قائداعظمؒ کو اسلامیان ہند کا نجات دہندہ قرار دیا ہے اور گاندھی کو اہمسا اور عدم تشدد کا گرو، جس کا ظاہر اور باطن باہم دست و گریبان ہے۔

جناب میاں بشیر احمد تحریر فرماتے ہیں۔

"جس طرح اتاترک نے ترکیہ کو سنبھال لیا اسی طرح قائداعظمؒ نے ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کے لئے آزادی کی راہ کھول دی، ہر ملک کے حالات جدا اور ہر رہنما کا کام بھی جداگانہ نوعیت کا ہوتا ہے۔ قائداعظمؒ نے جو کام کیا وہ اپنی جگہ لازوال تھا اور اس کے اثرات مدتوں تک اسلامی دنیا میں محسوس ہوتے رہیں گے۔

ہندوستان کے مسلمان مفلوک الحال تھے۔ غیر منظم تھے۔ غیر مسلح تھے اور مایوس تھے۔ انہیں دو ایسی قوموں سے واسطہ پڑا تھا جو سیاسی اور اقتصادی طور پر ان سے زیادہ ترقی یافتہ تھیں۔ خود مسلمانوں کے ہاں بے حد انتشار تھا۔ بہت سے بد دیانت اور خود غرض لوگ بھی تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے سامنے کوئی نصب العین نہ تھا اور اس تاریکی میں ان کو غلامی سے نکل بھاگنے کی کوئی راہ نہ سوجھتی تھی۔ اقبالؒ نے ان کو اس نصب العین کی جھلک دکھائی اور قائداعظمؒ آزادی کے کٹھن سفر میں ان کے عملی رہنما بن گئے۔

آج سے پچاس برس ہوئے کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خود محمد علی جناح کو کبھی اس بات کا یقین نہ ہو سکا کہ ایک دن وہ ایک نئی اسلامی مملکت کے بانی مبانی ہونے والے ہیں۔ کس طرح حالات نے ان کو قوم کا رہبر بنا دیا۔ یہ کتنی دلچسپی داستان ہے۔ پہلے برسوں وہ دو مختلف قوموں کو ایک قوم بنانے کے درپے رہے، باوجود سینکڑوں ناکامیوں کے وہ اس اتحاد کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ لیکن چالیس برس کے ذاتی تجربات نے ان کو یقین دلایا کہ آزادی کی اگر کوئی راہ ہے تو وہ یہی ہے کہ یہ دو ہمسایہ قومیں اپنی اپنی جگہ مکمل طور پر آزاد ہو جائیں۔ غیروں نے اسے ایک ناقابل عمل منصوبہ سمجھا، رقیبوں نے مذاق اڑایا، مخالفین نے برا بھلا کہا، اپنوں کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ لیکن وہ محمد علی جناح نہ ہوتا جو شک وشبہ میں پھنس جاتا یا مشکلات سے گھبرا جاتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدرت کیسے بعض دفعہ صرف ایک شخص کے ذریعے سے کروڑوں انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتی ہے ایک وہ زمانہ تھا کہ پاکستان صرف ایک عملی آدمی کے دماغ کا وہم تھا اور آج آٹھ کروڑ لوگوں کی روزمرہ کی زندگی اس شاندار سانچے میں ڈھل رہی ہے۔

کہا گیا ہے کہ پاکستان کی تشکیل ایک معجزے سے کم نہیں، ایسی بات وہ لوگ کہتے ہیں۔ جو بھول جاتے ہیں کہ حقیقی زندگی خود معجزات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ اور خوددار انسان کے ہاتھوں ہمیشہ غیر معمولی کام سرزد ہوتے ہیں۔ جس قدر ہم مسلمانوں کی حالت "ناگفتہ بہ" معلوم ہوئی تھی اسی قدر حیرت انگیز کامیابی ہمیں اپنے عظیم المرتبت رہنما کی ہمت اور خدا کی بے پایاں عنایت سے نصیب ہوئی۔ اب ہمیں اپنے آپ کو اس خوش قسمتی کے شایان ثابت کرنا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت ہم خطروں سے گھرے ہوئے ہیں، دوسروں کے رشک حسد اور حرص و ہوا کا سامنا بھی ہے اور بعض اپنوں کی نادانی سے بھی واسطہ ہے لیکن کیا ہم اپنے مفکر اعظم کے اس قول کو بھول گئے کہ کہ

ع اگر خواہی حیات اندر خطر زی

یہ خطرات ثبوت ہیں اس بات کا کہ ہمارے پاس ایک نایاب گوہر ہے جس کی محافظت ہمارا دل خوش کن فرض ہے اور جس کی آب و تاب روز و شب اسی نسبت سے بڑھے گی جس نسبت سے ہماری ہمت اور قربانی اور خود اعتمادی دنیا کو ہماری زندگی کی شہادت پیش کریں گی" ——

(ماہ نو، قائداعظم" نمبر دسمبر ۱۹۵۰ء

مضمون: اسلامی دنیا کے دو راہنما —— تحریر: ہز ایکسیلینسی میاں بشیر احمد

صفحہ نمبر ۲۰، ۲۷)

بک ٹاک، لاہور نے ایک کتاب چھاپی ہے، جس کا نام ہے، Jinnah Gandhi Talks جس کا دیباچہ نواب زادہ لیاقت علی خان، سابق وزیر اعظم پاکستان نے تحریر کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت قائداعظم" اور گاندھی کی باہمی خط و کتابت کا ذکر کیا گیا ہے۔ گاندھی نے ایک خط حضرت قائداعظم" کو لکھا جو ذیل میں درج ہے۔

"دلکشا" ۔ پنچ گنی

۱۷ - ۷ - ۱۹۴۴

جناح بھائی

ایک وقت تھا کہ جب میں نے آپ کو اپنی مادری زبان میں بولنے کے لئے اصرار کیا تھا۔ آج میں آپ کو اسی زبان میں خط لکھنے کی جرات کر رہا ہوں۔ جب میں جیل میں تھا تو آپ سے ملاقات کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لئے آپ کو دعوت دی تھی۔ چنانچہ میں نے قید میں رہنے تک آپ کو کوئی خط نہیں بھیجا۔ ہم ایک دوسرے سے جب آپ چاہیں گے ملاقات کر سکتے ہیں مجھے آپ اسلام کا دشمن اور نہ ہی ہندوستان کے مسلمانوں کا دشمن تصور کریں۔ میں اسلام کا دوست اور اس ملک کے مسلمانوں کا دوست ہوں۔ میں صرف آپ ہی کا خادم نہیں ہوں بلکہ تمام دنیا کا خادم ہوں۔ مجھے مایوس نہ کیجئے گا۔

میں اس خط کے ساتھ اس خط کا اردو ترجمہ بھی روانہ کر رہا ہوں۔

آپ کا بھائی
گاندھی

اس خط کا جواب حضرت قائداعظمؒ نے ۲۴ر جولائی ۱۹۴۴ء کو دیا جو ذیل میں درج ہے۔

ایچ بی "کوئینز الزبتھ"
سری نگر کشمیر
۲۴ر جولائی ۱۹۴۴ء

ڈیئر مسٹر گاندھی

میں نے آپ کا خط مورخہ ۱۷ر جولائی یہاں پہ ۲۲ جولائی کو وصول کیا، میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

میں آپ کو اپنے گھر واقع بمبئی میں ملوں گا جب آپ واپس آئیں گے جب کہ آپ اگست کے وسط میں واپس آئیں گے۔ اس وقت تک مجھے امید ہے کہ آپ صحت و تندرستی سے ہمکنار ہو چکے ہوں گے۔ اور بمبئی واپس آئیں گے۔ میں اس وقت تک کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا جب تک ہم آپس میں ملاقات نہیں کر لیتے۔

پریس میں آپ کی صحت کی ترقی پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے، اور مجھے امید ہے کہ آپ بہت جلد ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے۔

آپ کا مخلص
ایم اے جناح

"Jinnah Gandhi Talks"

P. 29-30

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت قائداعظمؒ نے کیا جواب دیا اور گاندھی نے کیا لکھا ــــ کیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی نے زندگی کے کسی موڑ پر بھی اسلام اور اسلامیان ہند کے ساتھ ہمدردی، وفاداری یا خیراندیش ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ یہ ان کے ہندو ذہن کی عکاسی ہے کہ مہاتما کے دل میں کچھ اور ہوتا ہے اور زبان پر کچھ اور ـــــ حضرت قائداعظمؒ کا ہی کمال حسن تدبر اور سلیقہ سیاست و قیادت تھا کہ وہ مہاتمائیت کا توڑ پیش کرتے رہے اور اسلامیان ہند کے لئے آزادی و خود مختاری کے لئے راہیں کھولتے رہے۔ انہیں کس قدر زہریلے کانٹے اپنے راستے سے چننے پڑے ہوں گے ـــــ

خوش قسمت تھے وہ صف اول کے قائدین جنہیں حضرت قائداعظمؒ کی ولولہ انگیز قیادت میں پاکستان کی تخلیق کا فریضہ انجام دینے کا شرف نصیب ہوا۔ خوش نصیب تھے وہ طلباء جنہیں حضرت قائداعظمؒ کی روح پرور شخصیت کی نگاہ کرم نصیب تھی۔ خوش بخت تھے وہ مزدور، کسان، ملازم اور کاروباری جنہوں نے اپنی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ان کے حکم پر قربان ہو جانے کے لئے ہمہ وقت مستعد اور تیار تھے، کتنا قیمتی تھا وہ وقت جو ان کی مٹھی میں تھا۔ کتنا بیش قیمت تھا وہ لمحہ جو ان کی مرضی سے گزرتا تھا۔ کتنی قابل قدر تھی وہ فضا جس میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ایسا انسان، جس نے انسانوں کو زندہ رہنا سکھایا۔ جس نے ستاروں کی چمک مستعار نہ لی بلکہ اپنی زمین کے ذرات کو خود چمکنا سکھایا۔ ایسا انسان جس نے زندگی کے اسرار و رموز اپنی مثال پیش کر کے واضح کر دیئے تھے۔ ایسے انسان، انسانی تاریخ میں کم کم پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے انسان پروردگار عالم کی بہت بڑی نعمت اور کرم نوازی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور ایسی کرم نوازی خدا تعالیٰ ہر وقت نہیں فرمایا کرتے ـــــ ابھی وقت ہے کہ اپنے عظیم قائد کی قدر کی جائے ـــــ

یا مذاق دید کی تہمت نہ لیتے اے جگر
یا سراپا دل مجسم آنکھ بن کر دیکھتے

کانگریس کی طرف سے ہندوستان کی ضمنی قوموں کو بڑھاوا کے ضمن میں "دشمن کا نیا حربہ" کے عنوان سے جناب رئیس احمد جعفری نے اپنی مرتبہ کتاب "خطبات قائداعظمؒ" میں حضرت قائداعظمؒ کی ایک تقریر کو درج کیا ہے جو انہوں نے جالندھر میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کے اجتماع کو ۱۵ر نومبر ۱۹۴۲ء میں خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔

"آپ ہندوستان کے مسلمان طلباء کی اس طرح تنظیم کیجئے کہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ایک نقطہ پر جمع ہو جائیں۔ اور ملت اسلامیہ کی معاشری، اقتصادی ترقی و ارتقاء کے لئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب دیں۔ ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدیؐ کا احیاء کریں اور ہندوستان کے مختلف اقوام وملل کے درمیان بھائی چارہ اور خیرسگالی کے احساسات کو ترقی دیں۔ پھر آپ کا یہ بھی فرض ہونا چاہئے۔ کہ ہندوستان، ممالک اسلامیہ میں اور دیگر اقطاع عالم کے طالب علموں میں باہمی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ربط و تعاون پیدا کریں اور اس کو وسیع تر کرتے جائیں۔

میں وفاق مسلم طلباء پنجاب کو مبارک باد دیتا ہوں کہ انہوں نے مارچ ۱۹۴۱ء سے اب تک بڑی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے ضلع ضلع مسلم لیگ کا پیام اور لائحہ عمل پہنچا دیا ہے۔

کل ہند کانگریس کمیٹی نے الہ آباد میں نہ صرف مسٹر راج گوپال اچاری کی تجویز کو جو ہماری تجویز سے مختلف تھی ایک بڑی اکثریت سے مسترد کر دیا بلکہ ایک نئی قرار داد کو اتنی ہی بڑی اکثریت سے منظور کیا۔ جس کا مفہوم یہ تھا کہ مسئلہ پاکستان "تقسیم اکھنڈ بھارت" سے کانگریس کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔ وہ مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے۔ اس لئے کانگریس نے مفاہمت کا دروازہ بھی بند کر لیا ہے۔

اس کے بعد مسٹر گاندھی پر ایک غیر معمولی نظریہ کا القاء ہوا اور وہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہندوستان چھوڑ دے۔ اگر انگریز کل ہی ایسا کریں تو مجھے بڑی مسرت ہو گی۔ پھر ہم ان سے بخوبی سمجھ لیں گے۔ (فلک شگاف نعرے)

اب مسٹر گاندھی یہ کہنے لگے ہیں کہ تاوقتیکہ انگریز ہندوستان سے چلے نہ جائیں ہندو مسلم سمجھوتہ کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھایا جا سکتا حالانکہ یہ ان کا بنیادی اصول اور ایقان تھا اور جس کو مسٹر گاندھی نے بارہا دہرایا ہے کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر ہندوستان کو آزادی اور خود مختاری نہیں مل سکتی۔

یہ ان شرائط اولین میں سے ایک ہے جو آزادی ہند کے لئے معین کی گئی تھیں. لیکن اسے ایک ہی رات میں دریا برد کر دیا گیا۔ برطانوی حکومت کو ہمارے استمزاج کے بغیر تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ہندوستان کو چھوڑ دے۔ یہ دفعتاً اور بیک وقت کیونکر ہوا۔ مسٹر گاندھی ادھر ابھی تو حکومت کو کچھ دھمکی اور کچھ گفت و شنید میں لگائے ہوئے تھے اور ایک مرتبہ تو انہوں نے ٹسوے بھی بہائے تھے۔

جب یہ سارے حربے ناکام ہو چکے تو انہیں انگریزوں پر اس قدر غصہ آیا کہ انہیں ہندوستان سے نکل جانے کو کہہ دیا۔ کیوں؟ وجہ ظاہر ہے۔ ان کا مقصد وہ نہیں ہوتا جو وہ کہتے ہیں۔ اور جو ان کا مقصد ہوتا ہے وہ کہتے نہیں (نعرہ تحسین)۔

حکومت نے ایک ناقابل فہم موقف اختیار کر رکھا ہے۔ برطانوی کہتے ہیں کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کانگریس کے بغیر ہم کس طرح عارضی حکومت ترتیب دے سکتے ہیں۔"

(خطبات قائداعظمؒ۔ مرتبہ رئیس احمد جعفری۔ صفحہ نمبر ۳۷۲، ۳۷۴)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بالکل درست ہے کہ گاندھی نے ہر موقع اور ہر قدم پر پاکستان کی تخلیق اور قائداعظمؒ کی کوششوں کا راہ روکا۔ انہوں نے کیا کیا حربے، کیا کیا مخالفتوں کے پہاڑ نہ کھڑے کئے۔ مگر اس کے باوصف، جب گاندھی کو قتل کر دیا گیا، تو حضرت قائداعظمؒ نے درج ذیل الفاظ میں ان کی موت پر اظہار افسوس کیا۔

"مجھے یہ معلوم کر کے از حد صدمہ ہوا کہ گاندھی جی پر بزدلانہ حملہ کیا گیا۔ جس سے ان کی موت واقع ہو گئی۔ موت کے بعد مرنے والوں سے کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔"

ہمارے اور ان کے درمیان چاہے کیسے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے ملک کے بہت بڑے آدمی تھے اور ہندوؤں کے بزرگ ترین راہنما تھے۔ اور دنیا کے سب امن پسند طبقے ان کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ ان کی موت ایسے وقت واقع ہوئی ہے جب ہندوستان اور پاکستان کو آزادی مل گئی تھی اور ان کے ملک پر بڑی آزمائش کا وقت تھا۔ ان کی حسرت ناک موت سے جو خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اسے پر کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ میں اس حادثہ میں ہندوؤں کی عظیم قوم سے گہری ہمدردی ظاہر کرتا ہوں۔"

(خطبات قائداعظمؒ ـــــ مرتبہ رئیس احمد جعفری ـــــ صفحہ نمبر ۵۴۵)

خداتعالیٰ نے حضرت قائداعظمؒ کو بے پناہ انسانی اوصاف سے مزین فرمایا تھا۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کے وکیل بھی تھے۔ بلند ترین مرتبے کے سیاست دان بھی تھے، ایک عظیم قائد، قوم کے نجات دہندہ بے مثال رہبر، مرد مومن، کامل ترین انسان اور سیاسی مفکر بھی تھے ـــــ شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں میں سے تھے، یہی سبب تھا کہ ان کی نظر اور ان کا قلب منور تھا ـــــ مگر افسوس یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنے قائداعظمؒ کو نہ سمجھا اور نہ سمجھنے کی کوشش کی، ان کے کارہائے نمایاں کی جتنی تبلیغ و تعلیم عام کرنے کی ضرورت تھی، اس کی طرف قطعاً توجہ ہی نہیں دی گئی۔ جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے۔ ہماری حکومتیں، ہمارے قومی دن تو خوب خوب مناتی ہیں۔ بڑا چرچا ہوتا ہے، لیکن حضرت قائداعظمؒ اور تحریک پاکستان کے ضمن میں جو ٹھوس اور موثر اقدامات کئے جانے چاہئیں تھے وہ نہ ہو پائے، وہ جذبہ، وہ ولولہ، وہ ذوق و شوق جو قیام پاکستان کے وقت موجود تھا، اسے پس پشت ڈال دیا گیا، جس کا نتیجہ یہ بر آمد ہوا کہ پاکستان زندگی کے ہر پہلو سے اور ہر میدان میں عدم استحکام کا شکار ہو کر رہ گیا، پاکستانی قوم کے ہر فرد نے انفرادی ترقی اور خوشحالی کی طرف تو توجہ ضرور دی لیکن مجموعی اور قومی لحاظ سے سارے پاکستان کی بہتری اور سالمیت کے لئے ذرا بھر عمل پیرا ہونے کی کوشش ہی نہیں کی ـــــ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

جناب پروفیسر محمد منور اپنی تازہ تصنیف "دیوار برہمن" میں رقمطراز ہیں۔

مقبول ترین لیڈر

کے ایل گابا صاحب کی انگریزی تصنیف (Great Men of India) میں قائداعظمؒ کے ایک جلوس کی تصویر ہے جو ۱۹۱۳ء میں کراچی شہر میں نکالا گیا تھا۔ اس وقت موتی لال کو یہ شہرت اور یہ ناموری حاصل نہ تھی اور جواہر لال نہرو ابھی لڑکے تھے۔ یہ نہرو والا معترضہ جملہ اس لئے در آیا کہ جواہر لال نہرو نے اپریل ۱۹۴۷ء میں لارڈ مونٹ بیٹن کو بتایا تھا۔ کہ مسٹر جناح کو آخر عمر میں کامرانی حاصل ہوئی تھی جوان کے ظرف سے بڑی تھی۔ ساتھ ہی پنڈت کی زبان "صداقت ترجمان" نے یہ بھی فرمایا کہ ہاں جناح ایک کامیاب وکیل تھے۔ مگر کچھ ایسے بھی کامیاب نہ تھے۔ اور مونٹ بیٹن نے نہرو کی اس رائے کو کھری اور صاف بات قرار دے دیا۔ یہ امر کیمبل جانسن کی کتاب Mission With Mountbatten میں مذکور ہے۔

حالانکہ حقائق (جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے) یہ بتاتے ہیں کہ قائداعظمؒ ۱۹۱۳ء میں برعظیم کے مشہور ترین اور ہر دلعزیز لوگوں میں تھے۔ ۱۹۱۳ء میں کانگریس نے انہیں اپنا ڈیلیگیٹ بنا کر لندن بھیجا تھا تاکہ وہ پارلیمینٹ میں ہندوستانیوں کا کیس پیش کریں۔"

گاندھی کا تعارف..... قائداعظم کا وسیلہ

جب گاندھی وارد ہند ہوئے تو قائداعظمؒ کا ہر طرف طوطی بول رہا تھا۔ چنانچہ گاندھی کو اہل بمبئی کے یہاں پرزور انداز میں متعارف کرانے کے لئے جو دو جلسے کئے گئے۔ ان میں سے دوسرے جلسے کی صدارت (جسے گجرات سبھا نے منعقد کیا تھا) کے لئے قائداعظم" سے خصوصی درخواست کی گئی تھی۔ یہ دوسرا جلسہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ اہم اور زیادہ بڑا تھا۔ اس امر کا خود گاندھی نے اپنی ۱۹۳۸ء والی خط و کتابت میں بھی ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے قائداعظمؒ سے کی۔ انہوں نے ایک خط میں لکھا کہ ۱۹۱۵ء میں جب کہ میں جنوبی افریقہ سے آیا تھا تو ہر زبان پر ایک قوم پرست لیڈر کی حیثیت سے آپ کا ذکر تھا۔۔۔ میں آپ کو وہی قوم پرست جناح دیکھنا چاہتا ہوں وغیرہ۔۔۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاندھی ہند میں آتے ہی کانگریس کی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگے مگر اس کے باوجود حال یہ تھا کہ ۱۹۱۴ء کے مشہور و معروف لکھنؤ سیشن میں انہیں سبجیکٹس کمیٹی کا بھی ممبران کی کوشش کے باوجود منتخب نہ کیا گیا۔ اور قائداعظمؒ کا حال یہ تھا کہ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ، خوبی بیان اور حسن دلیل سے کانگریس سے وہ جداگانہ طریق انتخاب کا اصول منوالیا جو منٹو مارلے، اصلاحات کے نام سے ۱۹۰۹ء میں بصورت ضابطہ تجویز کیا گیا تھا۔ یہی تھا وہ دور جب لوگ انہیں عزت اور پیار سے ہندو مسلم اتحاد کا سفیر کہتے تھے۔ یہ خطاب درحقیقت انہیں مسٹر گوکھلے نے دیا تھا۔ گاندھی کو گوکھلے کا قرب میسر نہ آسکا، اس لئے کہ گاندھی کے وارد ہند ہونے کے چند ہفتے بعد ہی گوکھلے کا انتقال ہو گیا۔۔۔"

(دیوار برہمن۔ مصنفہ پروفیسر محمد منور، صفحہ نمبر ۸۸، ۸۹)

اسی مذکورہ بالا کتاب میں آگے چل کر پروفیسر صاحب مزید تحریر کرتے ہیں۔

مسٹر گاندھی۔ سراپا ہندو

اصل میں ایک گاندھی باہر کا گاندھی تھا اور ایک گاندھی اندر کا گاندھی تھا۔ اندر کا گاندھی بڑا پکا تھا۔ وہ سراپا ہندو تھا۔ اس کے اپنے بقول اس کا رواں رواں ہندو تھا۔ اندر کا گاندھی ہندو تسلط کے لئے مضطرب تھا۔ باہر کا گاندھی ہندو مسلم اتحاد کا مظہر بنتا تھا۔ اندر کا گاندھی اچھوتوں کو دائماً محروم رکھنا چاہتا تھا مگر باہر کا گاندھی کہتا تھا کہ میں چھوت چھات کو نہیں مانتا۔ مجھے اس تصور ہی سے گھن آتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کسی غلط روایت نے ہندو دھرم میں چھوت چھات کو رواج دیا ہے۔ میں ایسی ہر مشق کو ہندو دھرم کی روح کے خلاف جانتا ہوں۔ یہ باہر کا گاندھی ہے مگر اندر کا گاندھی کبھی کبھی باہر بھی آ جاتا ہے اور راز کی بات بتا جاتا ہے۔ لہٰذا گاندھی کا اپنا عقیدہ یہ تھا کہ وہ تناسخ کے قائل تھے۔ ویدوں اور شاستروں کو مانتے تھے۔ مورتی پوجا کے بھی منکر نہیں تھے۔ ذات پات کے قائل تھے۔ ذاتوں کے درجات کے مطابق جو طبقے انسانی وسائیں میں بنا دیئے گئے ہیں انہیں مانتے تھے اور اس کے باوصف کہتے تھے کہ میں چھوت چھات کا قائل نہیں۔ کیا گاندھی یہ بات نہیں سمجھتے تھے کہ ذاتوں کے پیدا کردہ طبقات ہی نے ان سات کروڑ افراد کو اچھوت بنا کر رکھ دیا ہے۔"

(دیوار برہمن۔ مصنفہ: پروفیسر محمد منور۔ صفحہ نمبر ۹۷)

"قائداعظمؒ اور مسٹر گاندھی۔ کردار میں بعد المشرقین

گاندھی کے ظاہر و باطن میں کس قدر فاصلہ تھا، وہ خود گاندھی بھگت مونٹ بیٹن کی زبانی بار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بار بیان ہوا۔ سروجنی نائیڈو کی زبانی انہوں نے بتایا کہ گاندھی ریل کے جس ڈبے میں سفر کرتے ہیں۔ اس کو جرثومہ کش دواؤں سے دھلایا جاتا ہے۔ ان کے ہمراہ سفر کرنے والوں کو منتخب کیا جاتا ہے۔ انہیں مناسب لباس مہیا کیا جاتا ہے اور اس طرح جب وہ بھنگیوں کے محلے میں جا کر رہتے ہیں تو جہاں رہنا ہوتا ہے. اس جگہ کو بھی بخوبی صاف کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو ان کے ارد گرد کے مکانوں میں رہنا ہوتا ہے۔ انہیں منتخب کیا جاتا ہے۔ انہیں خاص قسم کا لباس دیا جاتا ہے وغیرہ۔ یہ کچھ بتا چکنے کے بعد سروجنی نائیڈو نے کہا یور ایکسی لینسی آپ کو کیا معلوم کہ گاندھی جی کو غریب دکھانے کے لئے کانگریس کیا کچھ خرچ کرتی ہے۔ اور اس کے مقابل قائداعظمؒ تھے کہ شملے میں کانفرنس میں شرکت کرنا تھی اور لوئر بازار میں سے رکشا پر گزرنا تھا. سفید ٹوپ گھٹنوں پر دھرا تھا۔ روانہ ہونے لگے تو کسی دردمند نے کان میں کہا حضور ٹوپ نیچے نشست پر پاؤں کی جانب رکھ دیں تاکہ آپ کے عقیدت مند. سادہ دل مسلمان اسے نہ دیکھ سکیں۔ ممکن ہے کہ اپنے قائداعظمؒ کو انگریزی ٹوپ کے ساتھ دیکھیں تو ان کی دل شکنی ہو۔ اس پر قائداعظمؒ نے فرمایا کیا تم نے مجھے گاندھی سمجھا ہے۔ پہلے میں نے یہ ٹوپ گھٹنے پر رکھا ہوا تھا. اب سر پر رکھ کر جاؤں گا۔ یہ کہا اور ٹوپ سر پر رکھ لیا۔ مونٹ بیٹن ہی کیا ہر حریف کو یہ اعتراف کرنا پڑتا رہا کہ قائداعظمؒ بے مثال امانت اور دیانت اور استقامت کے مالک تھے۔ خود گاندھی، ان کی خدمت گار. ان کی نسوانی بیساکھیاں اور بکریاں (جو پھل کھاتی تھیں) وغیرہ سب لوگ سرمایہ داروں کی سخاوت پر پلتے تھے۔ قوم کا کھاتے تھے۔ مگر اس کے برعکس قائداعظمؒ نے کبھی قوم سے کچھ نہ لیا۔ لاکھوں روپے قوم کو زندگی میں بھی دیئے اور لاکھوں روپے کی وصیتیں کر گئے جن سے کئی تعلیمی اور طبی ادارے آج تک مستفید ہو رہے ہیں۔ تفصیل میں جاؤں تو بات لمبی ہو جائے گی۔"

(دیوار برہمن۔ مصنفہ پروفیسر محمد منور صفحہ نمبر ۱۰۷، ۱۰۸)

- طلوع اسلام سرٹرسٹ کی شائع کردہ کتاب "تحریک پاکستان اور پرویز" میں بحضور حضرت قائداعظمؒ تحریر کیا گیا ہے۔ "حریت نواز۔ ذرا تصور میں لائیے ایسے وقت کو کہ ایک وحشت انگیز ہولناک بیابان میں راہ گم کردہ مسافروں کا ایک بکھرا ہوا قافلہ نشان منزل سے مایوس ہو کر ضعفِ عزیمت سے پاشکستہ بیٹھ چکا ہو۔ ایک درماندہ راہرو کی صدائے دردناک جو آواز رحیل کا کام دے رہی تھی۔ فطرت کے اٹل قوانین کے تحت خاموش ہو چکی ہو. شام کو بھیانک سناٹا. سر پر منڈلانے والی شب تیرہ و تار کی ہیبت انگزیوں کا پیام جانکاہ دے رہا ہو۔ غاروں میں چھپے ہوئے درندوں کے پاؤں کی آہٹ موت کو قریب تر لاتی نظر آ رہی ہو۔ درختوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے رہزنوں کی ریشہ دوانیاں دامن صحرا پر پھیلتے ہوئے اندھیروں کے ساتھ بڑھتی چلی آ رہی ہوں۔ وہ لوگ جن کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیادت و سیادت پر بھروسہ تھا۔ برادران یوسف کی طرح اپنے قافلہ کی گراں بہامتاع دوسروں کے ہاتھ بیچ ڈالنے کی فکر میں ہوں۔ غرضیکہ ہلاکت یقینی اور تباہی اٹل معلوم ہوتی ہو۔ افراد قافلہ میں سے جن کے دلوں میں اس الم انگیز کیفیت کا احساس ہو ان کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھ رہی ہوں۔ کہ دور، افق امید سے ایک شاہ سوار رواں دواں، امیدوں کی ایک دنیا اپنے ساتھ لئے ان سوختہ سامانوں کی طرف بڑھتا چلا آئے۔ منتشر افراد کارواں کو پھر سے ایک مرکز پر جمع ہونے کی دعوت دے اور اپنوں اور بیگانوں کی تیار کردہ ہلاکت و بربادی کی گھاٹیوں سے بچاتا ہوا۔ انہیں کسی محفوظ مقام کی طرف لے جانے کی فکر کرے۔

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے تھے کسی مرد راہ داں کے لئے

قوم کی صحیح راہنمائی کرنے والے ایک ایک کر کے چل بسے تھے۔ بزم ملت کی آخری شمع جس کی ضیا پاشیوں سے لاکھوں آنکھیں پرنور تھیں۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح کو بجھ چکی تھی۔ اس کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ نے اس منتشر قافلہ کی شیرازہ بندی کے لئے آپ کی ذات گرامی کو چن لیا۔ اور آپ کی نگہ دوررس نے اس قافلے کو بتایا۔ کہ ان کے گرد و پیش کس کس قسم کی خطرناک گھاٹیاں موجود ہیں۔ وہ گھاٹیاں کہ جن میں کہیں "متحدہ قومیت" کے دام ہمرنگ زمین میں کبوتر حرم کو پھانسنے کی تجویزیں ہو رہی تھیں۔ کہیں کسی منبر سے یہ آواز آ رہی تھی کہ قومیتیں مذہب سے نہیں، اوطان سے بنتی ہیں۔ اور یوں اس طائر لاہوتی کے بال و پر کو غبار آلودہ ارض و بوم بنا کر امت رسول ؐ کافۃ الناس کو جغرافیائی حدود کی آب و گل میں محبوس کیا جا رہا تھا۔ کہیں "امرھم شوریٰ بینھم" کی حامل قوم کی نگاہوں میں مخلوط انتخاب کے سراب کو آب حیوان بنا کر دکھایا جا رہا تھا۔ کہیں اس "اولی الامر منکم" کی مامور جماعت کے لئے غیر مسلموں کی امامت و قیادت کو عین دین قرار دیا جا رہا تھا۔ کہیں انگریز کے خلاف "متحدہ محاذ" کے طلسم سے کفار و مشرکین سے تولّی کے جواز کے فتاویٰ شائع ہو رہے تھے۔ ایک طرف ایک مغنی آتش نفس سرود گاہ وار دھاکی مستعار لے میں یہ خواب آور گیت گا رہا تھا کہ عالم گیر سچائیاں تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہیں۔ اس لئے اسلام کو کسی دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت نہیں۔ دوسری طرف کچھ خداوندان مکتب، شاہین بچوں کے لئے اہمسا کی بازو شکن تعلیم کی سکیمیں تیار کر رہے تھے۔ ہندو اپنے ذہن میں "رام راج" کے قیام کے منصوبے باندھ رہا تھا۔ اور اس کے لئے انگریز سے "شریفانہ معاہدے" استوار کر رہا تھا۔ ہندوؤں کے شور و غوغا سے متاثر انگریز بھی مسلمانوں کو بلا تامل ہندو کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ تھا۔ کہ وہ اپنی پانچ ہزار سالہ غلامی کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جذبہ انتقام اس کے خون سے ٹھنڈا کرے۔ جو لوگ اغیار کی صفوں میں کھڑے ہو کر ملت اسلامیہ کی نمائندگی کا دعویٰ کر رہے تھے۔ ان میں اتنا بھی سمجھنے کی استطاعت نہ تھی کہ بساط سیاست پر آئینی مہرے کس طرح چلائے جا رہے ہیں۔ ہندو خوش تھا کہ میں نے ۹ کروڑ فرزندان توحید اچھوتوں کی صف میں ملا دیا۔ انگریز راضی تھا کہ وہ خنجر ہلالی جس کے بے نیام ہونے کے خوف سے کلیجہ صلیب میں ہمیشہ دھڑکن رہتی تھی اسے گنگا کی لہروں میں بہا دیا گیا کہ اس کس مپرسی کے عالم اور اس خلفشار و تشتت کے وقت آپ آگے بڑھے اور ہندوؤں اور انگریزوں کے ہر خفیہ منصوبے اور پوشیدہ سازش کو ایک ایک کر کے بے نقاب کر دیا اور یوں ان کے تصورات کی حسین دنیا کو ایک خواب پریشان میں تبدیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا پر اس حقیقت عظمیٰ کو واضح کر دیا کہ

آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

(تحریکِ پاکستان اور پرویز۔ مرتبہ طلوع اسلام ٹرسٹ صفحہ نمبر ۴۴۶ - ۴۴۸)

پاکستان زندہ باد

قائداعظمؒ زندہ باد

www.KitaboSunnat.com

Department of Islamic Studies
Punjab University Lahore

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

اعظم

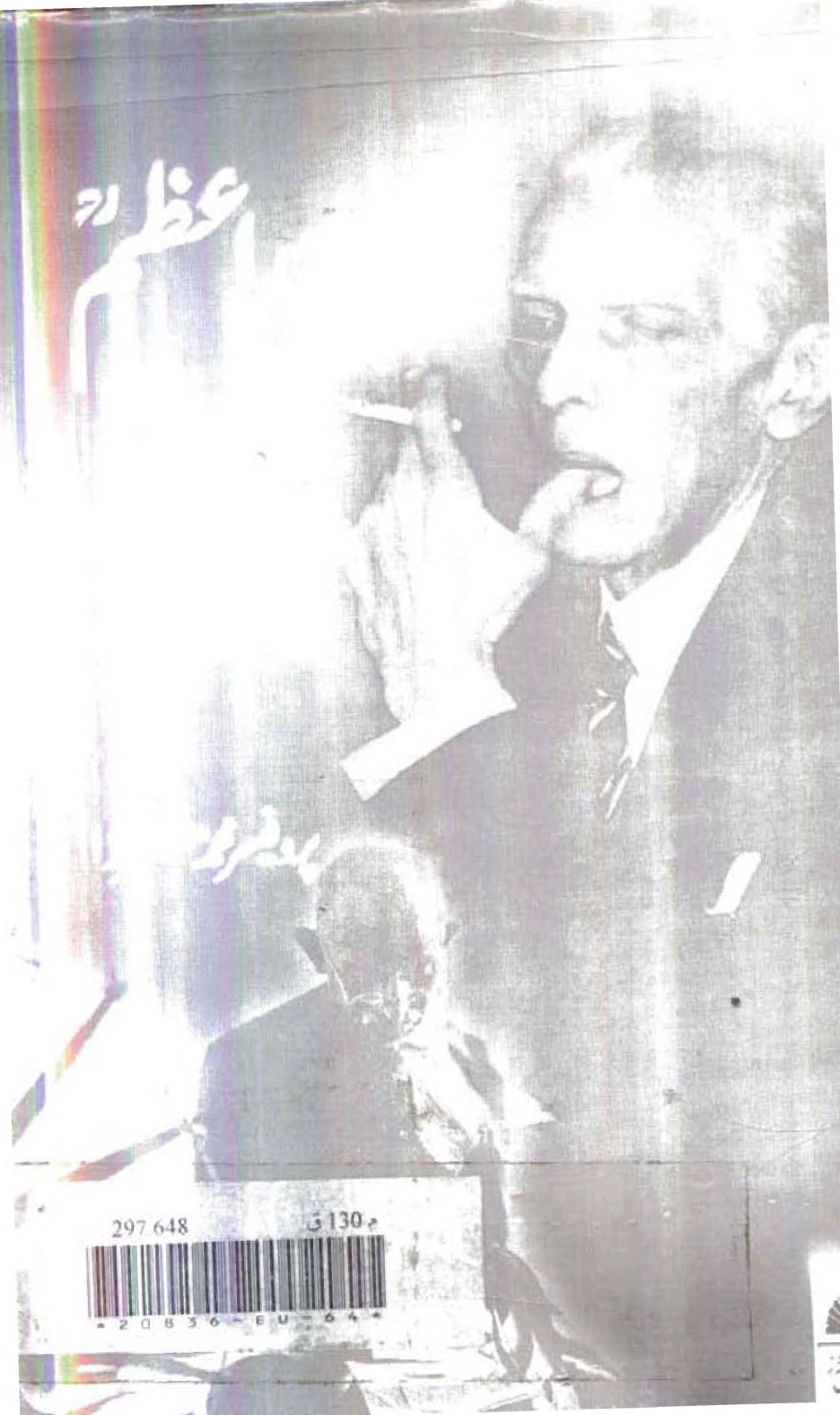

297 648
م 130 ق
20836-EU-64